رحلتِ مصطفیٰ

از

عبد الرزّاق ملیح آبادی

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ!

رِحلتِ مصطفیٰ

از

عبدالرزّاق ملیح آبادی

پبلشر

ہند بک ایجنسی نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ۔ کلکتہ

قیمت ۸ؕ

دیباچہ

"یہ رسالہ تاریخ میں اپنی قسم کا پہلا رسالہ ہے" ناظرین اس جملہ پر متعجب ہوں گے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ پوری تاریخ اسلام میں اس وضع کی کوئی ایک کتاب بھی لکھی نہیں گئی۔ آدمی کی موت اُس کی زندگی کا ایک جزو ہے، اس لئے سوانح حیات کے ساتھ حالات موت بھی لکھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ سیرت نبوی پر صدہا کتابیں موجود ہیں مگر کسی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت اور وفات کے مفصل و مرتب حالات نہیں ملتے۔ کتب تاریخ میں سب سے زیادہ معلومات، ابن سعد نے جمع کئے ہیں۔ کتب حدیث میں، صحیح بخاری اور مسند امام احمد کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ مگر یہ بھی لاتسمن ولایغنی من جوع کے حکم میں داخل ہیں۔

نہیں معلوم ہمارے قدیم وجدید مورخین نے اس معاملہ سے اتنی بے اعتنائی کیوں برتی؟ حالانکہ یہ ازحد اہم اور ضروری معاملہ تھا۔ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ عبرت انگیز لمحے اُس کے آخری لمحے ہوتے ہیں۔ یہ لمحے اُس کی پوری زندگی کے لئے کسوٹی ہوتے ہیں۔ ان میں بے نقاب شخصیت منظر عام پر آجاتی ہے۔ دنیا کے لئے عبرت وموعظت کا ایک پورا مدرسہ کھل جاتا ہے۔ یہ حال ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی موت ہے۔ پھر رسول کی موت، اُس رسول کی موت جو خدا کا سب سے بڑا اور آخری رسول تھا۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دنیا کے لئے عبرت وموعظت اور اسوہ وقدوہ تھا جس

طرح اُس کی زندگی عظیم تھی اُسی طرح اُس کی موت بھی عظیم ہوئی جس طرح اُس کی زندگی ہدایت تھی اُسی طرح اُس کی موت میں بھی ہدایت ہو۔ جس طرح اُس کی زندگی نے بتایا کہ کامل انسان کو کیونکر زندگی بسر کرنا چاہیے؟ اُسی طرح اُس کی موت بھی بتاتی ہو کہ کامل انسان کو کس طرح مرنا چاہیے؟

الحمد لعد اس رسالہ نے یہ کمی پُوری کردی اور مسلمانوں کے سامنے اُنکے ہادیٔ اعظم صلعم کے حالات مرض الموت اور وفات پہلی مرتبہ مفصل و مرتب شکل میں پیش کردیئے۔

اِن اوراق کی جمع و ترتیب میں جو محنت اُٹھانا پڑی، اُس کا اندازہ ناظرین مطالعہ کے بعد کر سکیں گے۔ یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہ تھا اگر حالات کسی ایک یا چند کتابوں میں جمع ملجاتے۔ یا کم سے کم ہماری کتابوں میں مفصل فہرستیں اور انڈیکس ہی ہوتے۔ مگر ہم تمام سہولتوں سے محروم تھے۔ اِس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ صدہا کتابیں لفظ بہ لفظ پڑھی جائیں جن سے کچھ بھی معلومات حاصل ہونے کی امید ہو۔ چنانچہ یہ سخت مصیبت برداشت کی گئی۔ بہت سی کتابوں سے مدد ملی اور بہت سی پڑھ چکنے کے بعد ضیاع وقت و قوی پر افسوس کے ساتھ بند کردینا پڑیں۔

ہم نے وہی روایتیں لی ہیں جو ہماری تحقیق میں صحیح ثابت ہوئیں۔ سب کے حوالے دیدئیے ہیں۔ جہاں جہاں "مسند" کا لفظ آیا ہو اُس سے مُراد مسند امام احمد ہو۔ کہیں کہیں کتب ادب و مواعظ سے بھی مدد لی ہو مگر صحت کی طرف سے پُورا اطمینان کرلیا ہو۔ روایتوں کے ترجمہ میں صرف معنی ہی کی نہیں، حتی الوسع الفاظ و اسلوب کی بھی رعایت کی ہو۔ ترجمہ تقریبًا لفظی ہو۔ اِس وجہ سے کہیں کہیں عبارت اُردو اسلوب سے ذرا ہٹی نظر آئے گی۔ مگر اِس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ واقعات اصلی رنگ میں پیش کرنے کے

لئے ضروری تھا کہ ترجمہ حتی الامکان لفظی ہو۔

رسالہ کی تالیف میں ہم نے وہ طریقہ اختیار کیا ہو جو قدیم عرب مورخوں کے طریقہ سے مشابہ ہو۔ ہمارے خیال میں اس قسم کی کتابوں کے لئے یہ طریقہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہو کہ حالات اپنے اصلی رنگ روپ میں نظر آجاتے ہیں اور تمنا اُس عہد کی سوسائٹی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہو۔ ہماری رائے میں مذہبی پیشواؤں کی تاریخیں اُنکے متبعین کے لئے اسی طریقہ پر مرتب ہونا چاہئیں۔ عوام کے لئے یہ طریقہ نہایت مفید بلکہ ناگزیر ہو۔ تاریخ نویسی کا جدید اسلوب اور اُس میں فلسفۂ تاریخ کی آمیزش، علمی حیثیت سے کتنی ہی ضروری ہو مگر قلب و روح پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے عملی زندگی میں وہ اسلوب غیر مفید ہے۔

یہ رسالہ، دراصل ایک طویل سلسلہ کی پہلی کڑی ہو۔ ایک مرتبہ خیال ہوا کہ "موت" کی حقیقت معلوم کرنا چاہیے۔ چنانچہ دنیا کی تقریبًا تمام گزشتہ و موجودہ قوموں کے خیالات اور مشاہیر عالم کے حالات وفات جمع کر ڈالے۔ بتدریج یہ تمام ذخیرہ، ناظرین تک انشاءاللہ پہنچے گا اور بہترین روحانی غذا بہم پہنچائے گا۔ اس رسالہ کے بعد خلفائے راشدین، اہل بیت، عام صحابہ و تابعین، اولیائے کرام اور مشاہیر تاریخ کے حالات شائع ہونگے۔

یہ موجودہ سیاسی موت، ہماری قوم پر صرف اس لئے طاری ہو کہ ہم قومی زندگی کے لئے مرنا بھول گئے ہیں۔ اس سلسلۂ رسائل سے بڑا مقصد اُس روح کا جگانا ہو جو موت سے نڈر ہو کر دُنیا و آخرت کی لازوال سعادتیں بہم پہونچاتی ہو۔ اگر اس مقصد میں ذرا بھی کامیابی ہوئی اور ایک فرد کو بھی فائدہ پہنچ گیا تو یہ ہماری تمام محنتوں کی پُوری قیمت ہوگی۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

عبدالرزاق ملیح آبادی

فہرست اُن کتابوں کی جن کے حوالے اس رسالہ میں موجود ہیں

(۱) صحیح بخاری
(۲) صحیح مسلم
(۳) سنن ابی داؤد
(۴) ترمذی
(۵) نسائی
(۶) ابن ماجہ
(۷) موطا امام مالک
(۸) مسند احمد
(۹) طبقات ابن سعد
(۱۰) تاریخ ابن عساکر
(۱۱) ابن ہشام
(۱۲) الروض الانف
(۱۳) کنز العمال
(۱۴) مشکوٰۃ
(۱۵) فتح الباری
(۱۶) خصائص کبریٰ
(۱۷) الاستیعاب
(۱۸) المواہب اللدنیہ
(۱۹) ماثبت بالسنہ
(۲۰) احیاء العلوم
(۲۱) عقد الفرید
(۲۲) صفوۃ الصفوہ
(۲۳) تفسیر طبری
(۲۴) تاریخ طبری

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

پورے ۲۳ برس کی وحی و نبوت کے بعد بالآخر دین الٰہی کامل ہوگیا۔ حق درخشندہ آفتاب کی طرح روشن ہوگیا۔ توحید اٹل بنیادوں پر استوار ہوگئی۔ جامۂ کفر و شرک تار تار ہوگیا۔ تمام پاک مسرتوں کا راستہ کھل گیا۔ عقل انسانی تمام پرانی بندشوں سے چھوٹ کر آزاد ہوگئی۔ اب نبوت کا مشن پورا ہوچکا تھا۔ نبی کی زندگی کا مقصد حاصل ہوچکا تھا اور وقت آگیا تھا کہ اللہ کا حبیب دار فانی سے کوچ کرے، اور روح اطہر ۶۳ سال مادی عناصر میں محصور رہنے کے بعد اپنے نورانی منبع و مستقر کی طرف واپس جائے۔

پاک روحیں، شفاف آئینہ ہیں۔ جس طرح آئینہ کی سطح پر محسوسات منعکس ہوتی ہیں، اسی طرح پاک روحوں پر کبھی غیر مرئیات اور عالم بالا کے حوادث و احوال کا پرتو پڑتا ہے اور وہ عالم مادہ میں اُن کے مجسم و متشکل ہونے سے پہلے ہی کبھی محسوس کر لیتی ہیں کہ کیا ہونے والا ہے؟ پیغمبر خدا کی روح مجلّیٰ و مصفّیٰ کا کیا کہنا؟ مرض الموت ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ وہاں معلوم ہوگیا تھا کہ چل چلاؤ قریب ہے۔ چنانچہ روح مبارک، جوار خداوندی میں پہنچنے کے لئے غیر معمولی طور پر مضطرب تھی۔ ہر لحظہ اسی کا خیال تھا۔ ہر لمحہ اسی کا اشتیاق تھا۔ زندگی کے جتنے بھی مرحلے طے کئے تھے، سب اسی منزل پر شادکام پہنچنے کے لئے طے کئے تھے۔ ابھی کی

دُھن میں دُنیا کی مسرتوں سے بیزار رہے تھے۔ اسی کی طلب میں دل و دماغ جسم قربان کئے ہوئے تھے۔ اب جوں جوں اُس سے نزدیکی ہوتی جاتی تھی، آتش شوق بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ نُسک و عبادت بڑھتی جاتی تھی، حتیٰ کہ آخری دنوں میں ریاضت تمام پچھلے زمانوں سے زیادہ ہوگئی تھی اور جسم مبارک اس قدر خستہ، لاغر اور پژمردہ ہوگیا تھا کہ "شنِ بالی" (پرانی مشک) کی طرح سوکھ کر رہ گئے تھے۔ ہر سال رمضان المبارک کا آخری عشرہ، اعتکاف کے لئے مخصوص تھا، مگر اس سال بیس دن معتکف رہے تھے[۲]۔

بہت سے لوگ موت کو قریب آتے دیکھ کر خوف و دہشت سے لرز جاتے ہیں۔ دنیا و مافیہا کو بھول کر واویلا شروع کر دیتے ہیں۔ بہت سے موت کو آنکھوں سے دیکھ لینے پر بھی اُس سے بھاگنے اور بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ انسانی طبیعت کی کمزوریاں ہیں۔ لیکن آپ کی یہ حالت نہ تھی۔ پیمانۂ عمر لبریز نظر آرہا تھا، گرچہ رشتۂ حیات ہنوز باقی تھا، اس لئے وہ سب کرتے تھے جو بڑی زندگی کا یقین رکھنے والے کرتے ہیں۔

یہ ایک سخت غلطی عام ہوگئی ہے کہ دنیا کی ناگزیر مشغولیتوں سے بھی بھاگنے کو دین سمجھا جاتا اور موت کے خوف سے مفید مشاغل، خدمت خلق، اعلاء کلمۃ حق، غرضکہ ہر کام سے کنارہ کش ہوکر عضو معطل بن جانے کو تصوف، زہد، قناعت، تصور کیا جاتا ہے۔ یہ غلط خیال اس وجہ سے پھیل گیا ہے کہ دنیا کو دین سے الگ بلکہ مخالف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ دنیا، دین کے سنورنے کا ذریعہ اور آخرت کا زینہ ہے۔ دراصل دُنیا کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ دُنیا، عیاشی، اوباشی، تن پروری کا نام نہیں ہے۔ دنیا، عمل صالح، خدمتِ خلق،

---

[۱] المواہب وابن رجب فی اللطائف [۲] بخاری

اصلاح نفس اور انسانیت کو ترقی دینے کا کام ہے۔ یہی دین ہے۔ اسی مقصد سے حکیم مطلق نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ جو انسان دنیا میں رہ کر یہ فرائض انجام دیتا ہے، وہ درحقیقت دین کا کام کرتا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں یہی تعلیم دیتی ہیں۔ تمام سچے پیغمبروں نے اپنی عملی زندگی سے یہی نمونہ پیش کیا ہے۔

اللہ کا سب سے آخری رسول بھی ساری زندگی یہی کرتا رہا اور موت کی سرحد پر پہنچ جانے پر بھی اس سے منہ نہیں موڑا۔ بحکم "اعمل لدنیاک کانک تعیش ابدا واعمل لآخرتک کانک تموت غدا[1]" آخر وقت تک یہی دستور رہا کہ شدید عبادتوں اور ریاضتوں کے پہلو بہ پہلو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ دنیاوی الجھنیں سلجھانے، مشکلیں حل کرنے، امت کے لئے ترقی وسعادت کی راہیں ہموار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ موت کی دہشت سے روپوش نہیں ہو گئے تھے۔ دنیا سے ڈر کر کوہ و بیابان میں جا نہیں بیٹھے تھے۔ اور ایسا کرتے بھی کیوں جبکہ دنیا کے سب کام خدا ہی کے لئے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا، بیٹھنا سب کچھ اسی لئے تھا کہ اُس آقا کی خوشنودی حاصل ہو اور اُسی کا بول بولا ہے۔ یہی سبق اپنی زندگی سے اُمت کو بھی دیا تھا اور نکاح کرنے تک کو ایک عبادت قرار دے دیا تھا۔ پھر یہی سبق اپنی موت سے بھی دے گئے۔

حجۃ الوداع

عمر کے آخری سال اور وفات سے کُل نوّے دن پہلے حج کا موسم پیش آیا۔ اس تقریب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ اُمت کو فلاح دارین کا سبق از سرِ نو دینے کے لئے

---

[1] اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو گویا ہمیشہ زندہ رہوگے اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح کام کرو گویا کل مر جاؤگے (حدیث)

یہ بہترین موقعہ تھا۔ اب تک خود بھی حج نہیں کیا تھا، اور یہ اہم فریضۂ دینی باقی رہا جاتا تھا چنانچہ اپنے سفرِ حج کی منادی کردی اور مسلمان جوق در جوق ہر طرف سے روانہ ہونے لگے تاکہ اپنے نبی کا دیدار کریں اور خود اُس کی زبان سے پیغامِ الٰہی سُنیں۔

یہ حج درحقیقت تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے اور صحیح معنوں میں "حج اکبر"[ف] ہے۔ اس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ اصولِ دین کا لب لباب، دین و دنیا کی سعادت کا دستور العمل، قومی زندگی کے قوانین کا مجموعہ، شخصی زندگی کا ضابطہ، محاسنِ اخلاق کا گنجینہ، کتاب و سنت کا خلاصہ، تمام آسمانی شریعتوں کا نچوڑ ہے اور اس لائق ہے کہ ہر کلمہ بلکہ ہر نیکوکار انسان اُس پر غائر نظر ڈالے اور اُس سے اپنی زندگی میں شمع ہدایت کا کام لے

خطبۂ حج

"اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! خدائے یگانہ تنہا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا، اور تن تنہا تمام جتھوں کو پسپا کردیا[۱]۔ تمام ستائش اُسی خدائے بزرگ کے لئے ہے۔ ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں۔ اُسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اُسی سے مغفرت مانگتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اُس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں،

عہ ف، اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں آپ مسلمانوں سے رخصت ہوئے تھے (بخاری زاد المعاد) معلوم ہوتا ہے اس حج سے بہت پہلے آنحضرت کی زندگی ہی میں "حجۃ الوداع" کا صحابہ میں چرچا تھا اور وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ "ہم میں حجۃ الوداع کا چرچا ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ نبی صلعم ہمارے اندر زندہ موجود تھے اور ہم "حجۃ الوداع" کا مطلب نہیں سمجھتے تھے (یہاں تک کہ) وہ واقع ہوا اور آپ رخصت ہوگئے" (بخاری حجۃ الوداع دفتن)

۱ف ابوداؤد (کنز العمال)

اور یہ کہ محمدؐ اُسی کا ایک بندہ اور پیغامبر ہے۔ لوگو، میں تمھیں خوفِ خدا کی وصیت کرتا ہوں[۵۰]۔

"صرف چار[۵۱] چیزیں ہیں: خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بناؤ، کسی کی ناحق جان نہ لو، زِنا نہ کرو، چوری[۵۲] نہ کرو،

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمھارے بعد کوئی نئی اُمت[۵۳] نہیں۔ سنو، اس سال بعد شاید تم مجھے نہ دیکھو، خوب اچھی طرح سُن لو، شاید اس سال بعد تم مجھے پھر کبھی نہ دیکھو گے[۵۴]۔ علم اُٹھ جانے سے پہلے مجھ سے علم[۵۵] سیکھ لو۔

"کیا تم سنتے نہیں؟ لوگو، سنو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں پڑھو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، اپنی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے سرداروں کی فرماں برداری کرو۔ اور اپنے رب کی جنت میں شادکام داخل ہو جاؤ[۵۶]۔

"لوگو، میری سنو، میں نہیں جانتا شاید اس سال بعد میں تم سے اس جگہ پھر کبھی نہیں ملونگا شیطان تمھاری اس سرزمین میں پوجے جانے سے نااُمید ہو گیا ہے لیکن اگر اُن باتوں میں بھی اُسکی

عہ۵ حضرت اُمامہ کہتے ہیں یہ سُنکر ہم ایک اعرابی (بدو) کے پاس گئے اور رشوت میں ایک چادر دیکر اُس سے یہ سوال کرایا کہ اے نبی اللہ! علم کیسے اُٹھ جاسکتا ہے جبکہ ہمارے پاس صحیفے موجود ہیں۔ ہم نے اُنھیں سیکھ لیا ہے اور اپنی عورتوں، بچوں اور غلاموں تک کو سکھا دیا ہے؟ اس پر آپ نے سر اُٹھایا، چہرہ مبارک پر غصہ کی سرخی دوڑ گئی اور فرمایا "اے شخص تیری ماں تجھ پر روئے! یہ یہود و نصاریٰ بھی صحیفے رکھتے ہیں، مگر اپنے نبیوں کے لائے ہوئے ایک حرف پر بھی عمل نہیں کرتے۔ لوگو، علم کا اُٹھ جانا یہ ہے کہ اُسکے حامل (علماء) اٹھ جائیں" (تین مرتبہ یہ جملہ دُہرایا۔ مسند ابوامامہ)

۵۰ ابن سعد۔ طبرانی فی الکبیر متفق علیہ ۵۱ مسند سلمہ بن قیس ۵۳ کنز العمال عہ۵۵ مسند ابی امامہ۔

۵۶ مسند ابی امامہ دکنز۔

اطاعت کی جائے جنھیں تم اپنے اعمال میں بالکل معمولی باتیں سمجھتے ہو تو وہ اتنے پر بھی رضامند ہو جائے گا۔ لہٰذا اپنا دین ہوشیاری کے ساتھ اُس سے بچائے رہو۔

"نسیئی، کفر میں زیادتی ہے جس سے کافر گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال کرتے اور دوسرے سال حرام کرتے ہیں۔"[1]

"آج زمانہ گردش کھا کے اپنی اُسی اصلی شکل پر آ گیا ہے جو اُس کی آسمان و زمین کی پیدائش کے دن تھی۔ سال بارہ مہینہ کا ہے جن میں سے چار مہینوں میں خونریزی حرام ہے تین مہینے مسلسل ہیں: ذی قعد، ذی الحج، محرم اور ایک جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان رجب کا مہینہ ہے[2]۔ پس ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو[3]۔"

"اے لوگو، اپنی عورتوں پر تمھارا حق ہے اور اُن کا تم پر حق ہے۔ تمھارا حق اُن پر یہ ہے کہ تمھارے بچھونے کے پاس کسی ایسے آدمی کو پھٹکنے نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور کوئی کھلی ہوئی بدکاری عمل میں نہ لائیں۔ اگر ایسا کریں تو خدا کی طرف سے تمھیں اجازت ہے کہ اُنکے بچھونے الگ کر دو، اور اُنھیں مارو بھی مگر ایسی مار نہیں جو سخت ہو۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ خوش دلی سے اُنھیں کھانا کپڑا دو۔ عورت اپنے گھر سے بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے کچھ خرچ نہ کرے۔ سوال کیا گیا "کھانا بھی نہیں؟" فرمایا "کھانا بھی نہیں کیونکہ وہ ہمارا افضل ترین مال ہے"۔ دیکھو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تمھارے پاس تمھارے ہی بھروسہ پر ہیں اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ تم نے اُنھیں اللہ کی امانت پر لیا ہے اور اللہ ہی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے۔ لوگو، میری بات سمجھو، میں نے تمھیں حکم خداوندی پہنچا دیا[4]

[1] ابن ہشام [2] متفق علیہ (مشکوٰۃ) [3] مسند رقاشی [4] ابن ہشام و بخاری و مسلم و کتب صحاح و مسانید باختلاف الفاظ و ترتیب

"خدا نے میراث میں ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں رہی۔

"سنو، جو شخص نفرت کی راہ سے اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے باپ کے ہونے کا مدعی ہو یا جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر دوسروں کا دم بھرے تو اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔[۱]

"عاریت واپس کی جائے۔ احسان کا بدلہ اُتارا جائے۔ قرض ادا کیا جائے۔ ضامن پر ڈانڈ پڑے گی۔[۲] پس جس کسی کے پاس کوئی امانت ہو اسے اُس کے مالک کو لوٹا دے۔[۳]

"تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مومن کا دل کبھی بند نہیں ہوتا: اخلاص عمل، حاکم کی نصیحت جماعت کا ساتھ۔ ان تینوں کی دعوت ہمیشہ اُس کی پُشت پناہ ہوتی ہے۔[۴]

"سنو، صدقہ نہ میرے لئے حلال ہے نہ میرے اہل بیت کے لئے (پھر اونٹنی کے شانہ پر سے ایک رُواں چٹکی میں لے کر فرمایا) حتیٰ کہ اس روئیں برابر بھی نہیں۔[۵]

"سنو، جہاد فی سبیل اللہ میں ایک شام چلنا بھی دُنیا اور دُنیا کی سب دولتوں سے بڑھ کر ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن چلنا بھی دُنیا اور دُنیا کی تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے![۶]

"سنو، جاہلیت کی ہر وہ بات جو ذکر کی جاتی یا جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے، چاہے جان سے متعلق ہو یا مال سے، میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہے۔ بجز حاجیوں کے پانی پلانے اور کعبہ کی

---

[۱] ابن سعد [۲] مسند ابی امامہ۔ [۳] ابن ہشام [۴] مسند جابر بن مطعم [۵] مسند عمرو بن خارجہ [۶] مسند سفیان بن وہب۔

پاسبانی[۵۰] کے، (سو یہ دونوں باقی ہیں) سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون چھوڑتا ہوں اور وہ عبدالمطلب کے پوتے اور حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ جاہلیت کے خون میں اس خون سے پہل کرتا ہوں[۵۱]۔ جاہلیت کا تمام سود باطل ہے[۵۲]۔ یہ فرمانِ خداوندی ہے کہ سود داری باقی نہ ہے تمہارے لئے اپنے راس المال ہیں۔ اُنھیں لے لو کہ اسمیں نہ تمھارا کسی پر ظلم ہوگا اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا[۵۳]۔ سب سے پہلے جو سود میں باطل قرار دیتا ہوں وہ (میرے چچا) عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، اور تمام کا تمام باطل کیا جاتا ہے[۵۴]۔

"سنو، نادانستہ قتل کا خون بہا بھی اُتنا ہی ہے جتنا جان بوجھ کر قتل کرنے کا اگر قتل چابک یا لاٹھی سے ہوا ہے تو خون بہا سو اونٹ ہیں جن میں چالیس گابھن اونٹنیاں بھی شامل ہونگی[۵۵]۔ ہر کوئی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، باپ کا جرم بیٹے کے سر نہیں پڑے گا، اور نہ بیٹے کے جرم کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا[۵۶]۔

"لوگو، میری سنو اور زندگی پاؤ! خبردار ظلم نہ کرنا! خبردار ظلم نہ کرنا! خبردار ظلم نہ کرنا! کسی شخص کا مال بھی بغیر اُس کی رضامندی کے لینا روا نہیں[۵۷]۔

"اے لوگو! اگر تم پر ایک زرخرید، سیاہ فام نکٹا حبشی غلام بھی سردار بنا دیا جائے تو اُس کی بھی سنو اور اُس وقت تک اطاعت کرتے رہو جب تک وہ تم میں کتاب اللہ قائم رکھے[۵۸]۔

"لوگو، اور تمھارے غلام! تمھارے غلام! اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ اگر وہ ایسی خطا کریں جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو خدا کے

---

۵۱ ابوداؤد ۵۲ ابن ہشام ۵۳ مسلم ۵۴ ابن ہشام ۵۵ مسلم ۵۶ ابوداؤد ۵۷ مسند سلیمان بن عمرو ۵۸ مسند الرقاشی ۵۹ ابن سعد۔

بندوں کو بیچ ڈالو مگر تکلیف ہرگز نہ دو![1]

"اور اے لوگو، یہ کون مہینہ ہے؟" راوی کہتا ہے ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہم سے بہتر جانتا ہے۔ اسپر آپ چپ ہو گئے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا شاید آپ اُس کا نام بدلکر کوئی دوسرا نام رکھنے والے ہیں۔ پھر فرمایا "کیا یہ ذی الحج کا مہینہ نہیں ہے؟" صحابہ نے کہا بیشک۔ "لوگو، یہ کون مقام ہے؟" راوی کہتا ہے صحابہ نے عرض کی اللہ اور اسکا رسول ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ اسپر آپ چپ ہو گئے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید آپ اُس کا نام بدلکر کوئی دوسرا نام رکھنے والے ہیں۔ پھر فرمایا "کیا یہ بلد الحرام نہیں ہے؟" صحابہ نے کہا بیشک۔ "لوگو، یہ کون دن ہے؟" صحابہ نے عرض کی اللہ اور اُس کا رسول ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ اسپر آپ چپ ہو گئے یہاں تک کہ گمان کیا گیا شاید آپ اُس کا نام بدلکر کوئی اور نام رکھنے والے ہیں۔ پھر فرمایا "کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟" صحابہ نے کہا بیشک۔ فرمایا "تو تمھارا خون، تمھارا مال، اور تمھاری آبرو ٹھیک اُسی طرح حرام ہے جس طرح تمھارے اس شہر میں، تمھارے اس مہینہ میں تمھارے آج کے دن کی حرمت ہے یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو[2] اور تم سے تمھارے اعمال کا حساب لیا جائے[3]۔ خبردار! خبردار! میرے بعد گمراہ اور کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو! اے لوگو، سنو کیا میں نے پیغام پہونچا دیا؟ (آوازیں بلند ہوئیں" ہاں پہنچا دیا!" اسپر فرمایا) اے خدا گواہ رہ! دیکھو جو یہاں موجود ہیں وہ غیر حاضروں تک یہ سب پہنچا دیں، کیونکہ بسا اوقات دوسروں کی زبانی سننے والے براہ راست سننے والوں سے زیادہ

---

[1] ابن سعد [2] بخاری و مسلم [3] بخاری (حجۃ الوداع) [4] سنن ابن ماجہ و بخاری وغیرہ۔

سمجھتے ہیں۔[1]

"لوگو، میری بات سنو اور خوب سمجھو۔ جان لو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس کسی کے لئے روا نہیں کہ اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز پر قبضہ کرے جو اُس نے خوش دلی سے نہیں دی ہو۔ دیکھو، اپنے آپس میں ظلم نہ کرنا! کیا میں نے جتا دیا؟ (آوازیں بلند ہوئیں "ہاں جتا دیا" پھر فرمایا)

"سنو، میں حوض پر تمہارا میر منزل بنکر پہلے سے پہنچ جاؤں گا اور تمہاری راہ دیکھوں گا۔ میں تمہاری کثرت اور فراوانی سے غیر قوموں پر فخر کروں گا۔ پس میرے چہرہ کو سیاہی نہ لگانا، حالانکہ تم مجھے دیکھ چکے اور خود میری زبان سے میری باتیں سُن چکے ہو۔ تم سے عنقریب لوگ میری بابت سوال کرینگے، یاد رکھو جو کوئی اپنے دل سے جھوٹ بنا کر میری طرف سے کوئی بات کہے گا تو اُسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ پہلے سے بنالے۔ سنو، میں (قیامت کے دن) بہت سے لوگوں کا بچانے والا ہوں اور بہت سے لوگ مجھ سے دُور کر دیئے جانے والے ہیں۔ اُس وقت میں عرض کروں گا "اے پروردگار یہ تو میرے صحابی ہیں! جواب ملے گا" تو نہیں جانتا تیرے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں کی تھیں"![2]

"میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جس کے ہوتے ہوئے تم کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے بشرطیکہ اسے مضبوطی سے پکڑے رہے۔ وہ کیا ہے؟ ایک کھلی ہوئی چیز: اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔

"اور جب تم سے (خدا کے ہاں) میری بابت سوال ہوگا تو کیا کہو گے؟" آوازیں بلند ہوئیں

---

[1] متفق علیہ   [2] ابن ہشام ۵۳ سنہ جلد ۵ صفحہ ۲۱۴

"ہم گواہی دیں گے کہ آپنے پیغام پوری طرح پہونچا دیا، امانت ادا کردی، اور نصیحت میں کوتاہی نہیں کی" اسپر آپنے انگشت مبارک آسمان کی طرف اُٹھانا اور مجمع کی طرف جھکا جھکا کر فرمانا شروع کیا "خدایا، گواہ رہ! خدایا، گواہ رہ! خدایا گواہ رہ!" [۱]

یہ ہے وہ عظیم الشان خطبہ جو سرور عالم نے زندگی کی آخری سہ ماہی میں وفات سے تقریباً اسّی دن پہلے [۱] اتنے بڑے مجمع کے روبرو دیا اور سلف سے خلف تک روایت ہوتا اور ایک نسل سے دوسری نسل کو بطور مقدس امانت کے پہنچتا رہا ہے۔ یہ خطبہ اس لائق تھا کہ مسلمان اِسے حرزِ جان بناتے، ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھتے، سب کچھ چھوڑ دیا تھا، مگر اسے نہ چھوڑتے اگر صرف اِن چند کلموں ہی پر عامل رہتے تو دین و دُنیا کی کوئی مسرت و سعادت نہ تھی جو اُنکے قدموں پر نہ لوٹتی۔ دینی و دُنیاوی ترقی کا وہ کون سا اصول ہے جو اس خطبہ میں موجود نہیں۔ شخصی زندگی سے لے کر خانگی زندگی اور خانگی زندگی سے لے کر اجتماعی اور قومی زندگی تک کے بہترین اصول و قواعد جچے تُلے گنتی کے چند بولوں میں بیان کر دئیے ہیں۔ [ع]

خم غدیر کا خطبہ

بہرکیف اس یادگار خطبے اور مناسکِ حج [ع] سے فارغ ہو کر مدینہ کو واپس ہوئے۔ مکہ جاتے ہوئے

[ع] اس خطبہ کی شرح کے لئے ایک مستقل رسالہ کا انتظار کیجئے۔ [ع] دوران حج میں دو باتیں قابل ذکر ہوئیں منیٰ میں آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا "خدا کو سب سے زیادہ کون جہاد پسند ہے؟" فرمایا "کلمۂ حق جو ظالم حاکم کے منہ پر کہا جائے" (مسند ابو امامہ) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دو شخص آپ سے صدقہ میں سے کچھ مانگنے آئے، آپنے اُنھیں سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور مضبوط و تندرست پا کر فرمایا "اگر تم چاہو تو تمھیں دیدوں، ورنہ اسمیں (صدقہ میں) دولتمند اور کما تو طاقتور کا ذرا بھی حصہ نہیں ہے" (مسند ج ۴ ص ۲۲۴) [۱] مسلم و ابن ہشام [۲] فتح الباری باب حجۃ الوداع۔

ممکن ہو موت کی نزدیکی میں کچھ شک ہوا مگر اب لوٹتے ہوئے یقین تھا۔ کیونکہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"[۱] عرفہ میں نازل ہو چکی تھی اس میں آپ کی نبوت ختم ہو جانے کی صاف خبر موجود تھی۔ پھر سورۂ "اذا جاء نصر اللہ" یوم النحر کے دن منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور آپ کی دنا تا پر قطعی دلیل تھی چنانچہ راستہ میں خم نام مقام میں صحابہ کو پھر جمع کیا اور اُنکے سامنے تقریر کی:

"اے لوگو، میں بھی تمہارا ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ قریب ہے میرے رب کا قاصد آئے اور میں داعی اجل کو لبیک کہوں۔ میں تم میں دو نفیس چیزیں (ثقلین) چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور اپنی عترت (اہل بیت): کتاب اللہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آجائیں۔ اب تم دیکھو کہ میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟"

آخری فوج کشی

سفر ختم کر کے آپ صحیح سالم مدینہ پہنچ گئے اور حسب معمول وعظ وارشاد اور نسک وتعبد میں مصروف رہے۔ مرض الموت کے آغاز تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ بیماری سے صرف دو دن پہلے مسلمانوں کو بلقار پر حملے کے لئے طیاری کا حکم دیا۔ اب سے پہلے غزوہ موتہ کے سلسلہ میں آپکے چچیرے بھائی جعفر بن ابی طالب اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ شہید ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس نئی مہم کے لئے انہی زید کے بیٹے اُسامہ کو منتخب فرمایا اور اس فوج

---

[۱] آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور تمہارے لئے اسلام ہی کو دین پسند فرمایا۔ [۲] بخاری حجۃ الوداع [۳] مسند ابی سعید الخدری۔ المواہب۔

کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ فوج طیار ہو کر مدینہ سے باہر نکلی۔ مگر چونکہ آپ کی علالت قریباً شروع ہو گئی تھی اس لئے آگے بڑھنے سے رک گئی اور مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالے پڑی رہی، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

آخر عمر میں بیماریوں کی کثرت

مرض کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمر کے آخری برسوں میں بمقتضائے بشریت، پیری کے بعض عوارض و حالات جسم اطہر پر طاری ہونا شروع ہو گئے تھے چنانچہ فربہی زیادہ ہو گئی تھی۔ عام کمزوری بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ اور نفل نمازیں عموماً بیٹھکر پڑھنے لگے تھے۔ یہی نہیں بلکہ طبیعت بھی اکثر ناساز رہا کرتی تھی جیسا کہ عروہ بن الزبیر کی حدیث میں ہو کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے کہا "میں آپ کی سمجھ کی تیزی سے متعجب نہیں ہوں، کہتا ہوں رسول اللہ کی بی بی اور ابوبکر کی بیٹی کو ایسا ہی ہونا چاہئے شعر اور تاریخ عرب میں آپکی علمیت پر بھی حیران نہیں ہوں، کہتا ہوں "ابوبکر کی بیٹی ہیں! جو اس علم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ البتہ جس بات پر مجھے نہایت حیرت ہو وہ علم طب میں آپکی مہارت ہے، سوچتا ہوں یہ علم آپ کو کیونکر اور کہاں سے حاصل ہوا!" عروہ کہتے ہیں یہ سنکر ام المومنین نے میرے شانہ پر ہاتھ مارا اور پیار سے فرمانے لگیں "میرے عروہ! سُن، رسول اللہ آخر عمر میں بیمار ہو جایا کرتے تھے، عرب کے ہر حصہ سے آپکی خدمت میں وفد حاضر ہوتے اور طرح طرح کے نسخے بتاتے تھے۔ میں ان نسخوں سے آپکا علاج کیا کرتی تھی۔ اسی سے مجھے علم طب میں دخل ہو گیا۔"[۵]

---

۵ مسند عائشہ

حضرت عباسؓ کا قرینہ اور خواب

مرض سے پہلے جس طرح خود رسول اللہ کو اپنی وفات کا علم ہوگیا تھا، اُسی طرح بعض اور صحابہ کے دل میں بھی اس کا کھٹکا پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کے چچا حضرت عباس کہتے ہیں "میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ زمین مضبوط رسّوں میں بندھی آسمان کی طرف کھنچی چلی جارہی ہو" میں نے یہ خواب آنحضرت صلعم سے بیان کیا تو فرمایا۔ "یہ آپ کے بھتیجے کی موت ہوا"۔

اسی طرح حضرت عباسؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ "ایک دن میرے جی میں آیا کہ پتہ لگانا چاہئے رسول اللہ ابھی ہم میں اور کتنی مدت جیئینگے؟ چنانچہ میں نے عرض کی "رسول اللہ آپ اپنے بیٹھنے کے لئے تخت کیوں نہ بنوالیں؟ لوگوں نے تو آپ کو بالکل بے تکلف بھائی سمجھ رکھا ہے" فرمایا "ہنیں میں سی طرح اُن کی بھیڑ میں برابر رہونگا۔ وہ میری چادر تک مجھ سے چھینینگے اور اُن کے پیروں کی گرد اُڑ اُڑ کر میرے چہرے پر پڑتی رہی گی یہاں تک کہ خدا مجھے اُن سے چھٹکارا دیدے!" حضرت عباسؓ کہتے ہیں اس جواب سے میں سمجھ گیا کہ آپ کی عمر اب تھوڑی ہی باقی ہے۔

حضرت عائشہؓ کا خواب

اسی طرح حضرت عائشہ نے بھی ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر گو اُس وقت اُن کی سمجھ میں نہیں آئی مگر اس کا تعلق آپ کی وفات ہی سے تھا فرماتی ہیں" میں نے دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند آ آکر گرے ہیں۔ میں فوراً اپنے والد ابوبکرؓ کے پاس گئی اور خواب بیان کیا۔ کہنے لگے تم اس کی کیا تعبیر کرتی ہو؟ میں نے کہا میرے خیال میں رسول اللہ سے اولاد پیدا ہوگی۔ اس پر آپ چپ ہوگئے، یہاں تک کہ نبی صلعم کا وصال ہوا تو فرمانے لگے "یہ تیرا سب سے اچھا چاند تھا!"

لہ خصائص ص۲ ابن سعد ص۳ ابن سعد۔

پھر خود ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ دفن ہوئے، اس طرح اسلام کے تین چاند عائشہ کے حجرہ میں گر کر ہمیشہ کے لئے غائب ہوگئے! اور اُنکے خواب کی تعبیر پوری ہوئی!

صحابہ کا وہم

لیکن عام طور پر صحابہ فرطِ محبت و عقیدت کی وجہ سے اس طرح کا وہم بھی دل میں لانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ خیال اُنکے بہتوں کو تھا کہ سرور دو جہاں صلعم بھی اور سب آدمیوں کی طرح مر جائینگے۔ عام طور پر یہ وہم پھیلا ہوا تھا کہ اگر آپ فوت بھی ہونگے تو سب سے آخر میں۔ لیکن خود آپ اس غلط اور متوہمانہ خیال کی ہمیشہ تردید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کو پہلی مرتبہ لوگوں کے اس وہم کا حال معلوم ہوا تو صحابہ میں خطبہ دیا:

"تم خیال کرتے ہو میں تم سب کے بعد مروں گا۔ حالانکہ میں تم سے پہلے مرجانے والا ہوں، تم میرے بعد گروہ گروہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آؤ گے"[۱]

حضرت فاطمہ سے راز کی باتیں

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آپ کو اپنی موت کی نزدیکی کا علم پہلے سے ہو گیا تھا۔ علاوہ روحانی احساس کے عمر کے آخری سال میں دو باتیں ایسی ہوئی تھیں جنسے آپ کو پورا یقین ہو گیا تھا: ایک یہ کہ ہر سال مقرب فرشتہ روح الامین (جبرئیل) آپکے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتا تھا۔ لیکن اس سال خلافِ معمول دو دور کئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی مشہور حدیث میں ہے کہ فاطمہ گھر میں اس طرح چل کر آئیں گویا خود رسول اللہ چلے آرہے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو خوش ہو کر بولے "بیٹی! مرحبا!" پھر اپنے دائیں یا بائیں پہلو میں اُنھیں بٹھایا، وہ آپ

---

[۱] احمد و الطبرانی بسند صحیح۔

پر جھک پڑیں اور بوسے لینے لگیں[۱۵]۔ آپ نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ رونے لگیں۔ میں نے کہا کیوں کیا ہوا؟ کیوں روتی ہو؟ وہ کچھ نہ بولیں۔ رسول اللہ نے پھر اُن کے کان میں کچھ کہا اور وہ ہنسنے لگیں! یہ تماشہ دیکھکر میں نے جی میں کہا آج کی طرح میں نے رنج اور خوشی اتنی نزدیک نہیں دیکھی۔ میں تو اس عورت (فاطمہ) کو سب سے زیادہ عاقل عورت سمجھتی تھی۔ مگر معلوم ہوا وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔ پھر میں نے فاطمہ سے یہ ماجرا دریافت کیا تو کہنے لگیں "میں ایسی کب ہوں کہ رسول اللہ کا راز فاش کردوں گی؟" چنانچہ اُنھوں نے کچھ نہ بتایا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ میں نے اُن سے پھر پوچھا تو کہنے لگیں "رسول اللہ نے پہلی دفعہ میرے کان میں یہ کہا تھا کہ جبریٔل ہر سال میرے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتے تھے مگر اس سال دو دور کئے ہیں، اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آپہونچا۔ بیٹی! مسلمانوں میں کسی عورت کی مصیبت تجھ سے بڑھ کر نہیں ہوگی لہذا ایسا نہ ہو کہ تو اُن میں سب سے کم صابر عورت ثابت ہو"[۱۵] یہ سنکر میں رونے لگی۔ آپ نے پھر کان میں فرمایا "کیوں روتی ہو؟ کیا تجھے پتہ نہیں کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے آملے، جنت کی عورتوں کی سردار ہو، اور میں تیرے لئے بہترین پیش خیمہ بنوں؟!" یہ سنکر میں ہنسنے لگی"[۱۶]

سورۂ نصر کا نزول

دوسری بات جس سے آپ کو یہ یقین ہوا، وہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) سورہ "اذا جا

ع۱۵ بعض روایتوں میں یہ واقعہ دوران مرض کا بیان کیا گیا ہے۔

س۱۵ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم ۱۵ المواہب ۱۵ طبرانی، بیہقی، خصائص) ۱۶ اس حدیث کے آخری الفاظ مختلف طرق سے مروی ہیں ہم نے جن حدیثوں پر اعتماد کیا ہے وہ بخاری (علامات النبوۃ) مشکوٰۃ اور ابن ماجہ (مرض رسول اللہ) میں موجود ہیں

نصر اللہ" کا نزول تھا[۵]۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کے سامنے تلاوت کی اور فرمایا، "لو، اللہ کی فتح و نصرت آگئی اور اہل یمن بھی آگئے" صحابہ نے سوال کیا "یا رسول اللہ اہل یمن کیا ہے؟" فرمایا "جن کے دل نرم ہیں، جن کی اطاعت نرم ہے، ایمان، یمانی ہے، حکمت یمانی ہے"[۶] نیز فرمایا "تمام لوگ ہانک دیئے جانے والے ہیں۔ میں اور میرے اصحاب بھی ہانک دیئے جانے والے ہیں (یعنی مرجانے والے ہیں) فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ البتہ جہاد و نیت باقی ہے" پھر فرمایا "مجھے میری موت کی خبر مل گئی، شاید اسی سال رخصت ہو جاؤں گا"[۱] اس کے بعد آپ کا دستور ہو گیا کہ ہر نماز[۲] کے بعد بلکہ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے[۳] یہ دعا کیا کرتے تھے "سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ واتوب الیہ"[۴] اور کبھی یوں فرماتے "سبحانک اللھم وبحمدک اللھم اغفر لی انک انت التواب، اللھم اغفر لی سبحانک اللھم وبحمدک، اللھم اغفر لی سبحانک اللھم وبحمدک"[۵] حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک دن میں نے عرض کی "یا رسول اللہ میں یہ کیا دیکھتی ہوں کہ اب آپ ایسی دعا مانگتے ہیں جو پہلے کبھی نہیں مانگتے تھے؟" فرمایا "میرے رب نے مجھے خبر دی تھی کہ میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا اور حکم دیا تھا کہ جب وہ علامت دیکھوں تو اس کی حمد و ستائش کی تسبیح کروں، اور اس سے مغفرت چاہوں؟ اب میں نے وہ

---

[۵] اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی؟ ایک روایت میں ہے حجۃ الوداع کے موقع پر یوم النحر کے دن منیٰ میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ وفات سے اکاسی دن پہلے نازل ہوئی (اور یہ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں) ابو حاتم کی روایت میں ہے کہ اسکے بعد آپ اسی دن زندہ رہے۔ مقاتل نے ۷ دن بتائے ہیں اور بعضوں نے صرف ۳ دن (فتح الباری) قتادہ نے اسکا نزول ۲ برس پہلے بیان کیا ہے (تفسیر طبری) ہمارے خیال میں پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ [۶] تفسیر طبری (د) من عائشہ وفی البخاری ما معناہ [۱] تفسیر طبری [۲] ابن سعد [۳] مسند ابن مسعود [۴]

علامت دیکھ لی ہے: اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔[1]

یہ بات بعض دوسرے صحابہ نے بھی محسوس کر لی تھی۔ چنانچہ ابو برزہ الاسلمی سے مروی ہے کہ آخر زمانہ میں جب آپ دیر تک کسی مجلس میں بیٹھ کر اٹھنے لگتے تو فرماتے "سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک" اس پر ہم میں سے بعضوں نے کہا "ہم اس سے پہلے آپ سے یہ دعا کبھی نہیں سنتے تھے"، جواب دیا "مجلس میں جو اچھی بری باتیں ہوتی ہیں یہ اس کا کفارہ ہے"[2]

یہی نہیں بلکہ اس سورہ کے نزول کے بعد آپ نے تمام زمانوں سے زیادہ عبادت شروع کر دی تھی۔ ہر وقت امر آخرت ہی پیش نظر رہتا تھا۔[3]

بیمار ہونے سے پہلے ہی آپ کی کوشش تھی کہ صحابہ کے ذہن میں اپنی وفات کا خیال پیدا کر دیں تاکہ جب یہ واقعہ پیش آئے تو خالی الذہن ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی تشویش اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حال ہوا تھا اور جیسا کہ دو دن بعد خود صحابہ کو پیش آتے آتے رہ گیا۔

(وعظ جس سے دل کانپ گئے)

چنانچہ بیماری سے پہلے آپ نے نہایت ہی موثر خطبہ ارشاد فرمایا۔ عرباض بن ساریہ راوی ہیں کہ اس وعظ پر آنکھوں سے آنسو بہ گئے اور دل خوف سے کانپ گئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ نصیحت تو ایسی ہے جیسی رخصت کے وقت کی جاتی ہے۔ فرمائیے ہمیں کیا ارشاد ہوتا

---

[1] مسند وابن کثیر [2] مسند ابی برزہ [3] طبرانی۔ مواہب۔

کرتے ہیں؟" آپ نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ ارشاد فرمایا "میں تمھیں ایک ایسے صاف راستہ پر چھوڑے جاتا ہوں جس کی رات بھی ویسی ہی روشن ہے جیسا اس کا دن۔ میرے بعد اس راہ سے وہی بھٹکے گا جو لازماً ہلاک ہونے والا ہے۔ تم میں سے جو جئیں گے وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھیں گے۔ ایسی حالت میں تم اپنی جانی بوجھی میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ تم پر سمع وطاعت واجب ہے اگرچہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اسے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑو، کیونکہ مومن نرم ناک والے اونٹ کی طرح ہے، جدھر چلایا جاتا ہے، چلا جاتا ہے۔"[۱]

معاذ بن جبل سے رخصتی

بیماری سے پہلے بھی کبھی کبھی صحابہ کو پیش آنے والا معاملہ یاد دلایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبل کو یمن بھیجنے لگے تو انھیں بھی اشارۃً اپنی وفات کی خبر دے دی تھی۔ حدیث میں ہے کہ معاذ کی مشایعت کو آپ نکلے، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ سواری کے نیچے پیدل چل رہے تھے۔ انھیں رخصت کرتے وقت فرمایا "میں تجھے ایسے لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں جن کے دل نرم ہیں اور وہ حق پر سرفروشی کے لئے کمربستہ ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جو تیری اطاعت کریں انھیں لے کر نافرمانوں سے لڑنا۔ اسلام اس تیزی سے پھیلے گا کہ اس میں داخل ہونے کے لئے عورت اپنے شوہر پر پیشقدمی کرے گی، بیٹا باپ سے آگے نکل جانا چاہے گا اور بھائی بھائی پر سبقت لیجانے کی کوشش کرے گا" اس کے بعد فرمایا "معاذ! شاید اس سال کے بعد تو مجھے نہ پا سکے گا۔ لیکن کرشمۂ تقدیری اس مسجد اور قبر کو دیکھے گا" پھر معاذ رونے

---

[۱] مسند عرباض بن ساریہ

اللہ کی جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آپ نے رونے سے منع کیا " رو نہیں معاذ! رونا شیطان کی طرف سے ہے۔ پھر مدینہ کی سمت مڑ کر دیکھا اور فرمایا " مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہونگے جو پرہیز گار ہیں، کوئی بھی ہوں، کہیں بھی ہوں[1]"

(رسول اللہ کا خواب)

بیماری سے کچھ پہلے ایک دن صحابہ سے خود اپنا ایک خواب بیان کیا۔ فرمایا " مجھے خواب میں دنیا کی کنجیاں دے دی گئیں۔ پھر تمھارے نبی کو ایک اچھی جگہ پہونچا دیا گیا اور تم دنیا میں سرخ، سفید، اور زرد حلوے کھانے کے لئے چھوڑ دیئے گئے[2]"

(محمد نبی اُمّی)

ایک اور موقعہ پر اس طرح برآمد ہوئے اور خطبہ دیا گویا رخصت ہو رہے ہیں۔ فرمایا " میں محمد، نبی امی ہوں! میں، محمد نبی امی ہوں! میں، محمد نبی امی ہوں! میرے بعد کوئی نبی نہیں، مجھے فواتح الکلم، جوامع الکلم، خواتم الکلم عطا کر دیئے گئے اور بتا دیا گیا کہ دوزخ کے کتنے نگہبان ہیں اور عرش کے اُٹھانے والے کتنے ہیں؟ مجھے خیریت دی گئی۔ میری اُمت کو خیریت دی گئی۔ جب تک میں تم میں ہوں میری سنو اور اطاعت کرو، جب بلالیا جاؤں تو کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو، جو اُس نے حلال رکھا ہو اُسے حلال سمجھو اور جسے حرام بتایا ہے اُسے حرام جانو[3]"

(مرض کا آغاز)

یوم سہ شنبہ ۲۸۔ ماہ صفر ۱۱ھ کو رات تک کوئی شکایت نہ تھی۔ آپ حضرت عائشہ کے گھر میں تھے۔ وہ کہتی ہیں "لیٹے لیٹے آدھی رات کو آپ اچانک تیزی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بیت

---

[1] مسند معاذ (روایات عدیدہ) [2] خصائص، ابن سعد [3] مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔

کہا "میرے ماں باپ قربان! کہاں؟" فرمایا "مجھے حکم ملا ہے کہ بقیع کے مُردوں کے لئے مغفرت کی دعا کروں" پھر اپنے خادم ابو مُوَیہبہ کو یاد فرمایا اور کہا "مجھے بقیع کے مُردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہوا ہے، سواری طیار کر اور میرے ساتھ چل" ابو مویہبہ کہتے ہیں میں نے سواری طیار کر دی اور ہم کاب روانہ ہوا۔ قبرستان پہونچکر سواری سے اُتر پڑے، میں نے لگام پکڑ لی اور آپ قبروں کے سامنے کھڑے ہوکر اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر فرمانے لگے "اے قبروں کے بسنے والو! تم پر سلام تھیں اپنی حالت مبارک! کاش تم جانتے خدا نے تھیں کن کن آفتوں سے نجات دی ہے! اندھیری رات کی تاریکیوں جیسے فتنے آپہنچے۔ ایک کے پیچھے ایک چلا آرہا ہے۔ ہر دوسرا پہلے سے بدتر ہو" پھر میری جانب مڑے اور فرمایا "سُن، مجھے دُنیا جہان کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور ہمیشہ کی زندگی بخشی گئی۔ پھر جنت لائی گئی اور اختیار دیا گیا کہ چاہوں دُنیا اور اُس کی نعمتیں لُوں یا لقاء الٰہی اور جنت قبول کروں" ابو مویہبہ کہتے ہیں میں نے عرض کی "میرے ماں باپ نثار! آپ دُنیا کے خزانے اور اُس کی دائمی زندگی بھی لیں اور جنت بھی نہ چھوڑیں" یہ سُنکر فرمانے لگے "ابو مویہبہ! نہیں، میں نے جوار خداوندی اور جنت پسند کر لی ہے" پھر مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس ہوئے۔ اسی کے بعد صبح سے بیماری شروع ہوئی۔[۱]

(حضرت عائشہ کا ناز)

بقیع سے ام المومنین حضرت میمونہ کے گھر واپس تشریف لائے اور وہیں طبیعت ناساز ہوئی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں جس دن بیماری شروع ہوئی آپ میمونہ کے گھر میں تھے۔ صاحب

---

[۱] ابن ہشام و مسند ابی مویہبہ و ابن سعد و دارمی باختلاف الفاظ۔

فراش ہونے سے پہلے دو تین مرتبہ میرے دروازہ پر سے آئے گئے مگر مجھ سے کچھ بولے نہیں حالانکہ آپکی عادت تھی کہ جب جب میرے دروازہ پر سے گزرتے تھے تو کچھ نہ کچھ فرماتے ضرور تھے۔ مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی، میں نے کنیز سے کہا میرا گدا تو دروازہ پر ڈال دے، پھر سر پر پٹی باندھ کے گدے پر جا بیٹھی۔ اسی اثنا میں آپ پھر گزرے اور مجھے سر باندھے دیکھ کر فرمانے لگے "عائشہ، تیرا کیا حال ہے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے کہا "ہائے میرا سر گیا!" آپ فرمانے لگے "عائشہ، تیرا کیا بگڑتا اگر تو مجھ سے پہلے مر جاتی تاکہ میں تیرا بندوبست کرتا، تجھے کفناتا دفناتا، تیرے جنازہ کی نماز پڑھتا، تیری مغفرت کی دعا کرتا!" میں بگڑ کر بولی "مریں میرے دشمن! وائے مصیبت! بخدا میں خوب جانتی ہوں آپ میری موت چاہتے ہیں تاکہ میرے گھر میں کوئی بیوی لے کر زندگی بھر عیش کریں!" میرا جواب سُن کر لبوں پر تبسم آگیا۔ پھر سنجیدہ ہو کر فرمانے لگے "عائشہ، تیرا سر نہیں میرا سر گیا!" یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپنے تکلیف کا اظہار کیا ورنہ عادت تھی کبھی کسی بیماری کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ نیز فرمایا "میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تیرے باپ (ابوبکرؓ) اور اُس کے بیٹے (عبدالرحمٰن) کو بلاؤں اور اپنا حکم سنا دوں تاکہ طمع کرنے والوں کو طمع کا، کہنے والوں کو کہنے کا اور تمنا کرنے والوں کو تمنا کا موقعہ نہ ملے مگر پھر میں نے سوچا "ہرگز نہیں، یہ اللہ کو منظور نہ ہوگا اور مومنین صادقین اسے رد کر دیں گے"[ع] یہ کہکر آپ میمونہؓ کے گھر لوٹ گئے اور بیماری نے زور پکڑا،[۲]

ع اس سے اشارہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف ہے۔

[۱] مسند عائشہ [۲] یہ واقعہ ابن ہشام، ابن سعد، مسند عائشہ، مسلم، بخاری (کتاب الطب) کی متعدد روایتوں سے ماخوذ ہے۔

(دردِ سر اور بخار کی شدت)

بیماری سخت دردِ سر سے شروع ہوئی[۱] چنانچہ دورانِ علالت میں سرِ مبارک پر برابر پٹی باندھے رہتے تھے۔ پھر فوراً تیز بخار چڑھا۔ اس کی حدت کم کرنے کے لئے بار بار غسل کرتے اور پانی میں ہاتھ بھگو کر چہرہ تر کرتے تھے۔ بخار اتنا سخت تھا کہ بقول حضرت عائشہؓ "آپ کی سانس اس قدر تیز چلتی تھی جیسے منقیٰ کھانے والا بیج پھونک پھونک کر منہ سے پھینکتا ہو"[۲]

(آپکو زہر دیا گیا تھا)

بیماری دراصل اُس زہر کا نتیجہ تھی جو تین سال پہلے آپ کو یہودیوں نے خیبر میں دیا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ جب آپ فتحِ خیبر سے فارغ ہوئے تو مرحب کی بھتیجی زینب بنت الحارث زوجہ سلام بن مشکم نے زہر ملا کر ایک بکری بھونی۔ بازوں اور پٹھوں میں زہر خاص طور سے زیادہ کر دیا کیونکہ سن چکی تھی آپ کو ان جگہوں کا گوشت بہت مرغوب ہے۔ نماز مغرب کے بعد آپنے اس عورت کو اپنے ڈیروں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ دریافت کرنے پر کہنے لگی "ابوالقاسم (رسول اللہ کی کنیت ہے) میں آپکے لئے ہدیہ لائی ہوں، قبول کر لیجئے" آپنے بکری قبول فرمالی اور چند صحابہ کے ساتھ کھانے بیٹھ گئے۔ انہی میں ایک بشر بن البراء بن معرور بھی تھے۔ آپنے حسبِ عادت بازو کاٹا اور ایک بوٹی نوچ کر چبانے لگے۔ بشر نے بھی کچھ گوشت کاٹا اور منہ میں لے لیا جب آپ اپنا لقمہ نگل گئے تو بشر نے بھی اپنا لقمہ نگل لیا[ع]۔ فوراً زہر محسوس ہوا اور آپنے صحابہ کو گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ بشر یہ بات پہلے ہی سے جان گئے تھے۔ عرض کرنے لگے "قسم اُس کی جسنے آپ کو عزت بخشی ہے، میں نے بھی اپنے لقمہ میں یہ چیز محسوس کی تھی۔ مگر اس خیال

ع ایک روایت میں ہے "آپنے نہیں صرف بشر نے لقمہ نگلا تھا (فتح الباری) [۱] المواہب

سے تھوک نہ سکا کہ آپ کا کھانا اُچھوتا نہ ہوجائے۔ میں تمنا کرتا تھا کاش آپ اپنا لقمہ نہ نگلیں۔ مگر جب آپنے نگل لیا تو آپکے مقابلہ میں مجھے اپنی جان کب عزیز ہوسکتی تھی؟[ع۱] میں بھی اپنا نوالہ کھا گیا حالانکہ اُس میں دغاصات موجود تھی" بشر پر تو وہیں بیٹھے بیٹھے زہر کا اثر ہوگیا لیکن آپنے فوراً شانہ پر فصد کھلائی اور دوسرے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ اس کے بعد اگرچہ آپ تین برس اور زندہ رہے[۱] مگر زہر اندر موجود تھا اور بتدریج اپنا اثر کر رہا تھا۔ کبھی اُس کا زور ہو جاتا تھا تو آپ فصد کھلوا ڈالتے تھے[۲] اور تخفیف ہوجاتی تھی حضرت انس کہتے ہیں "جب آپکو زہر دیا گیا میں اُس کا اثر آپکے کوّے اور تالو میں برابر دیکھا کرتا تھا"[۳]

پس مرض الموت درحقیقت اسی زہر کا نتیجہ تھا۔ خود آپ بھی اس آخری بیماری میں حضرت عائشہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے "خیبر میں جو لقمہ میں نے کھایا تھا، اُس کا فساد برابر پاتا رہا ہوں، یہاں تک کہ اب رشتۂ حیات[ع۲] کٹ جانے کا وقت آگیا ہے"[۴]

اسی طرح دوران مرض میں جب بشر بن براء کی ماں نے عرض کی "آپ پر میرے ماں باپ قربان! کسی بیماری کا خیال نہ کیجیے۔ اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو وہی لقمہ ہے جو آپکے ساتھ کھانے والے (یعنی بشر) نے کھایا تھا" آپنے ان کی تصدیق کی "میں بھی یہی سمجھتا ہوں اب رشتۂ حیات منقطع ہوجانے کی گھڑی آپہنچی ہے"[۵]

ع۱ کاش حضرت بشر اتنا ادب نہ برتتے اور پہلے سے کہدیتے! ع۲ حدیث میں اَبہر کا لفظ آیا ہے لغت میں یہ ایک رگ کا نام ہے جو پیٹھ کے اندر قلب سے جڑی ہوتی ہے۔ جب یہ کٹ جاتی ہے آدمی مرجاتا ہے اسی لئے ہم نے "رشتۂ حیات" ترجمہ کیا ہے۔ ۱ ابن سعد ۲ مسند عباس ۳ مسلم باب السم ۴ ابن سعد بخاری باب مرض النبی ووفاتہ ۵ مسند امرأۃ کعب بن مالک۔

(حضرت عمرؓ کی امامت منظور نہیں)

اوپر گذر چکا ہو کہ بیماری حضرت میمونہ کے گھر میں شروع ہوئی۔ یہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز کا وقت آگیا مگر آپ ضعف کی وجہ سے مسجد جا نہ سکے۔ مجبوراً عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا، "لوگوں سے جاکر کہدو نماز پڑھ لیں" عبداللہ گئے۔ حضرت ابوبکر ملے نہیں۔ وہ سنح میں اپنی بیوی کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ مل گئے۔ انھوں نے انہی سے نماز پڑھانے کو کہدیا حضرت عمرؓ بلند آواز تھے۔ اُن کی قرأت آپ کے کان تک پہنچی۔ آواز پہچان کر فرمانے لگے " نہیں، نہیں، ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) کہاں ہیں؟ کیا عمر کی آواز نہیں ہو؟" عرض کیا گیا "جی ہاں، عمر ہی ہیں" فرمایا "مگر اللہ اور مومنین کو منظور نہیں۔ ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے"۔ راوی کہتا ہو اس پر صفیں ٹوٹ گئیں۔ حضرت عمرؓ امامت سے ہٹ گئے اور اُسوقت تک نماز ملتوی رہی جب تک حضرت ابوبکرؓ نہ آئے۔[۱]

(حضرت عائشہ کے گھر میں)

بیماری شروع ہوتے ہی ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ مگر قدیم دستور کے مطابق ہر بی بی کے گھر باری باری سے ضرور جاتے تھے۔ چل نہیں سکتے تھے تو کپڑے میں ٹانگ کر لیجائے جاتے تھے جب مرض نے اور زیادہ زور پکڑا تو فرمانا شروع کیا "کل کس کے گھر میں ہوں گا؟" عرض کیا گیا فلاں بی بی کے ہاں۔ فرمایا "پرسوں کس کی باری ہو؟" عرض کیا گیا فلاں بی بی کی۔ آپکو اس طرح بار بار سوال کرنے سے حضرت فاطمہ سمجھ گئیں کہ آپ عائشہ کے گھر میں رہنا چاہتے ہیں چنانچہ ازواج مطہرات سے کہنے لگیں "رسول اللہ کو اب تمھارے ہاں آنے جانے سے تکلیف

---

[۱] مسند عائشہ و ابن سعد بروایات عدیدہ۔

ہوتی ہے۔[۵۱] اس پر اُن سب نے مل کر عرض کی "یا رسول اللہ! آپ عائشہ ہی کے گھر رہیے۔ ہم نے اپنی اپنی باری عائشہ کو بخش دی"[۵۲]

ایک دوسری روایت میں ہو کہ یہ واقعہ حضرت میمونہ کے ہاں نہیں خود حضرت عائشہ کے گھر میں پیش آیا۔ اُن کی اپنی روایت ہے "لوگ آپ کو میمونہ کے گھر سے چادر میں لاد کر لائے اور آپ نے ازواج سے کہلا بھیجا" اب میں تمہارے گھر آ جا نہیں سکتا۔ مجھے اجازت دو کہ عائشہ یا صفیہ کے ہاں رہوں[۵۳]"

یہ واقعہ دوشنبہ کے دن کا ہے یعنی وفات سے ایک ہفتہ قبل اور بیماری سے چھٹے[ع] دن بعد[۵۴] کا۔

(بار بار غشی)

حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے "جب ازواج نے میرے گھر میں تیمارداری کی اجازت دیدی تو آپ اپنے خاندان کے دو آدمیوں: عباس بن عبدالمطلب اور ایک اور شخص[عہ] پر ٹیک لگائے میمونہ کے گھر سے نکلے۔ سر پر پٹی بندھی تھی، کمزوری سے زمین پر پاؤں چھُوتے تھے۔ اس حال سے میرے گھر پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد بیماری اور بھی زیادہ سخت ہو گئی یہاں تک کہ بیہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو پوچھنے لگے "لوگ نماز پڑھ چکے؟" میں نے کہا نہیں۔ آپ کے منتظر ہیں فرمایا "میرے لئے طشت میں پانی رکھدو" ہم نے پانی رکھدیا اور آپ نے غسل کیا۔ مگر اُٹھنے لگے تو

عہ اس سے اشارہ حضرت علی کی طرف ہے حضرت عائشہ ناراضی کی وجہ سے اُن کا نام نہیں لیتی تھیں۔
۵۱ ابن سعد ۵۲ ابن ابی شیبہ بحوالہ کنز و بخاری کتاب الجنائز باختلاف الفاظ ۵۳ مسند عائشہ ۵۴ فتح الباری۔

بیہوش ہوگئے۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت کیا "لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" میں نے کہا نہیں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا "تو طشت میں پانی رکھ دو" ہم نے رکھ دیا۔ آپ نے غسل کیا۔ مگر جب اُٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا "نماز ہوگئی؟" میں نے عرض کی نہیں۔ آپ کا انتظار ہے۔ فرمایا "تو طشت میں پانی رکھ دو" ہم نے رکھ دیا اور آپ نے غسل کیا۔ پھر دریافت کیا "لوگ نماز پڑھ چکے؟" ہم نے کہا نہیں۔ آپ کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔

(حضرت ابوبکر کی امامت)

حضرت عائشہ کہتی ہیں "واقعی لوگ مسجد میں عشاء[1] کی نماز کے لئے رسول اللہ کے منتظر بیٹھے تھے۔ آخری مرتبہ غسل کر کے آپنے باہر جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا، بلکہ فرمایا "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے" اسپر میں نے عرض کی "اے نبی اللہ! ابوبکر ایک رقیق القلب اور کمزور آواز کے آدمی ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں تو گریہ طاری ہوجاتا ہے" مگر آپنے اسپر کوئی توجہ نہیں دی اور دوبارہ فرمایا "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے"

عائشہ کہتی ہیں "واللہ یہ بات میں صرف اس خیال سے کہہ رہی تھی کہ ابوبکر نماز کی امامت سے بچ جائیں۔ کیونکہ میرا خیال تھا لوگ اُس آدمی کو ہرگز پسند نہیں کرینگے جو رسول اللہ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔ بلکہ اُس سے شگون بدلیا جائے گا۔ اس لئے میں چاہتی تھی کہ یہ بات میرے باپ کے سر سے ٹل جائے[2]۔ چنانچہ جب آنحضرت نے میری درخواست نہیں سُنی تو میں نے حفصہ سے کہا "تم کہو کہ ابوبکر شدت گریہ سے اپنی آواز لوگوں کو سُنا نہ سکیں گے۔ اگر آپ عمر کو امامت کا حکم دیں تو بہتر ہے" غریب حفصہ نے یہ کہا تو آپ ناراض ہوگئے۔ فرمایا "تم

---

[1] ابن سعد [2] ابن ہشام۔

پیچھے نہ پڑو۔ تم یوسف والیاں ہو۔ ابوبکرؓ سے نماز پڑھانے کو کہو" اس پر حفصہ نے مڑکر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور جھلاکر کہنے لگیں "تجھ سے میں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی"

حضرت ابوبکرؓ کو فرمان نبوی پہونچا تو اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ تم نماز پڑھاؤ۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ کہنے لگے "آپ ہی پڑھایئے۔ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ امامت کے لئے کھڑے ہوئے، مگر جب قرأت شروع کی تو جیسا حضرت عائشہؓ کا خیال تھا گریہ وبکا اُن پر غالب آگیا۔ زار قطار رونے لگے۔ یہی حال پیچھے مقتدیوں کا ہوا۔ سب کی ہچکی بندھ گئی۔ کیونکہ وہ آج محراب کو اپنے نبی سے خالی دیکھ رہے تھے!"

اس کے بعد جب پھر نماز کا وقت آیا تو موذن نے حاضر ہوکر کہا، رسول اللہ سے کہو کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ کیونکہ گزشتہ نماز میں ابوبکرؓ اور اُنکے مقتدی گریہ بکا سے نفتنہ میں پڑ گئے تھے۔ حضرت حفصہؓ نے اپنی طرف سے کہدیا، عمرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہدو" چنانچہ حضرت عمرؓ کھڑے ہوگئے۔ مگر اُن کی تکبیر بلند ہوتے ہی رسول اللہ آواز پہچان گئے اور فرمانے لگے "یہ میں کس کی تکبیر سن رہا ہوں؟" ازواج مطہرات کو حضرت حفصہ کے نیچا دکھانے کا موقعہ مل گیا۔ کہنے لگیں "عمرؓ ہیں۔ موذن آیا تھا۔ یہ یہ کہتا تھا حفصہ نے اُس سے کہدیا کہ عمرؓ امامت کریں" یہ سُنکر آپ بہت خفا ہوئے۔ فرمایا "تم یوسف والیاں ہوا ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائے"

(طبیعت کی بحالی)

ابن عباسؓ سے مروی ہے: آپ عائشہؓ کے گھر میں صاحب فراش تھے۔ ایک دن فرمانے

۱؎ مسند عائشہؓ ۲؎ مسند عائشہؓ ۳؎ مسند ابن عمرؓ ۴؎ ابن سعد ۵؎ ابن سعد۔

لگے "علیؓ کو بلاؤ" عائشہؓ بولیں ابوبکرؓ کو بلا دیں؟ فرمایا بلاؤ۔ حفصہؓ نے کہا عمرؓ کو بلا دیں؟ فرمایا بلاؤ۔ ام فضل (زوجۂ عباسؓ) نے کہا عباسؓ کو بلا دیں؟ فرمایا بلاؤ۔ جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے سر اُٹھا کر دیکھا اور حضرت علیؓ کو نہ پا کر خاموش ہوگئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ کے پاس سے چلو۔ اب ظہر کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ بلالؓ نے آکر اطلاع دی تو فرمایا ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے پھر مخالفت کی مگر آپ نے کچھ نہ سنا۔ ابوبکرؓ نماز پڑھانے روانہ ہوگئے۔ اسی اثناء میں طبیعت مبارک بحال ہوگئی اور دو آدمیوں (جن میں ایک عباسؓ تھے) پر ٹیک دئے اس طرح برآمد ہوئے کہ پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ لوگوں نے آپ کی تشریف لاتے دیکھا تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہکر حضرت ابوبکرؓ کو آگاہ کیا۔ ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا۔ اور برابر آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ اُنکے بائیں جانب بیٹھ گئے اب امام آپ تھے، ابوبکرؓ آپ کی اقتدا کرتے تھے اور باقی سب لوگ ابوبکرؓ کی۔[1][2]

(بلالؓ سے خطاب)

بیماری کے اثنا میں ایک دن بلالؓ نے آکر نماز کی اطلاع دی تو اُن سے فرمایا "بلالؓ میں خدا کا حکم پہونچا چکا، اب جس کا جی چاہے نماز پڑھے اور جس کا جی چاہے چھوڑ دے" پھر فرمایا "ابوبکرؓ سے نماز پڑھانے کو کہدو" چنانچہ حضرت ابوبکرؓ امامت کر رہے تھے کہ اچانک حجرہ کا پردہ اُٹھا۔ راوی کہتا ہے ہم نے آپ کو دیکھا۔ آپ سیاہ چادر اوڑھے تھے اور چہرہ مبارک سفید کاغذ کی طرح ہو رہا تھا۔ ابوبکرؓ سمجھے آپ برآمد ہونا چاہتے ہیں اس لئے پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارہ کیا کہ نماز پڑھے جاؤ"[3]

---

[1] مسند ابن عمرؓ [2] مسند ابن عباسؓ و بخاری باسنادہ [3] ابو یعلیٰ فی مسندہ، ابن عساکر فی تاریخہ بحوالہ کنز العمال

(بے نظیر خطبہ)

اسلام کی جمہوری رُوح کا حال سالے، جہان پر روشن ہے۔ سب سے زیادہ عملی طور پر اسلام ہی نے یہ اصول دُنیا کے سامنے پیش کیا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی ترجیح و امتیاز نہیں۔ خدا کی نظر میں بلاشبہ زیادہ نیک زیادہ افضل ہے۔ لیکن قانونِ شریعت کے سامنے سب باہم رُتبہ ہیں۔ نسل، رنگ، جنسیت، قومیت، وغیرہ کے امتیاز بے اصل ہیں۔ شریعت الٰہی سب کو ایک نظر سے دیکھتی اور سب پر یکساں حاوی ہے۔ دُنیا میں شخصی امتیاز سب سے زیادہ بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں میں رہا ہے۔ یہ دونوں گروہ ہمیشہ قانون سے بلند رہنے اور دوسروں پر فخر و مباہات، اور ظلم وستم کرنے کے خوگر رہے ہیں۔ لیکن اسلام نے تیرہ سے ان دونوں کی جڑ کاٹ دی۔ اُس کی لُغت میں "بادشاہ" یا "روحانی پیشوا" کے نام سے کوئی بامعنی لفظ موجود نہیں ہے۔ وہ تمام انسانوں کو ایک سطح پر رکھتا، سب سے یکساں خطاب کرتا، اور اپنا حکم سب پر یکساں نافذ کرتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام تمام عمر اسی اصول کو پیش کرتے اور مضبوط بناتے رہے۔ اپنے لئے کوئی بھی دُنیاوی امتیاز خاص نہیں کیا، بلکہ سب مسلمانوں سے زیادہ عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے حتیٰ کہ اب جب پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا تو چلتے چلاتے اس جمہوری اصول کی ایک مرتبہ پھر نہایت مؤثر طور پر تبلیغ ضروری سمجھی۔ چنانچہ مرض کی شدت اور سختی نقاہت کے عالم میں ایک دن سر پر رُومال کسے اور فضل بن عباس کے ہاتھ پر ٹیک دیے مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے حسبِ ذیل خطبہ دیا۔

"اب تم سے میری جدائی نزدیک آ پہنچی، میں بھی ایک آدمی ہوں، جس کسی کی آبرو کو مجھ سے کچھ بھی گزند پہونچا ہو، تو یہ میری آبرو موجود ہے، آئے اور بدلہ لے لے۔ جس کسی کے جسم کی چمڑی کو مجھ سے کچھ بھی تکلیف پہنچی ہو، تو یہ میرے جسم کی چمڑی موجود ہے، آئے اور قصاص لے لے!

جس کسی کے مال کو مجھ سے کچھ بھی نقصان پہونچا ہو تو یہ میرا مال موجود ہے، آئے اور اس میں سے لے لے! خوب اچھی طرح سمجھ لو تم میں میرا سب سے زیادہ خیرخواہ وہی ہے جس کا اس قسم کا کوئی حق مجھ پر ہو اور وہ مجھ سے وصول کرے یا معاف کر دے۔ تاکہ تمام مظالم سے آزاد ہو کر میں اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچوں! دیکھو، کوئی یہ نہ خیال کرے کہ "میں رسول اللہ کے بغض و عداوت سے ڈرتا ہوں"۔ یہ دونوں باتیں نہ میری طبیعت سے ہیں نہ میری عادت میں داخل ہیں! جو شخص کسی بات میں بھی اپنے نفس سے مغلوب ہو گیا ہو، وہ بھی آئے اور مجھ سے مدد مانگے۔ تاکہ میں اُس کے حق میں دعا کر دوں"

یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "آپکے پاس ایک سائل آیا تھا اور آپنے اُسے کچھ دیدینے کا مجھے حکم دیا تھا۔ میں نے اُسے تین درہم دیئے تھے" فرمایا "سچ ہے۔ فضل، اسے دیدے" پھر ایک اور شخص اُٹھا "یا رسول اللہ میں بخیل ہوں، میں منافق ہوں، میں بزدل ہوں، میں بہت سونے والا ہوں، میں بڑا ہی جھوٹا ہوں۔ دعا کیجئے کہ مجھ سے نفاق، بخل، بزدلی نیند اور جھوٹ دُور ہو جائے" آپنے اُس کے حق میں دعا شروع کی "اے خدا، اسے ایمان اور سچائی بخش، اس سے نیند اور بخل دُور کر دے۔ اس کے دل کو بہادر بنا دے!"[عـ۵] پھر ایک عورت نے پکار کر کہا یا رسول اللہ مجھ میں یہ یہ عیب ہیں۔ اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا دعا کیجئے یہ سب عیب دُور ہو جائیں۔ اُس سے آپنے فرمایا، عائشہ کے گھر میں جا کر میرا انتظار کر. چنانچہ جب آپ مسجد سے فارغ ہو کر عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے تو اپنا عصا اُس کے

عـ۵ حضرت فضل کہتے ہیں اس کے بعد میں نے اسے جنگ میں دیکھا کہ اُس سے زیادہ جری، اُس سے زیادہ بہادر اور اس سے آگے بڑھنے والا بہادر فوج میں کوئی نہ تھا۔ (کنز العمال)

سر پر رکھا اور دعا شروع کی۔ عائشہ کہتی ہیں وہ دیر تک سجدے کرتی رہی۔ آپ نے فرمایا، "خوب دراز سجدے کر، کیونکہ بندہ، اللہ سے سب سے قریب سجدہ ہی کی حالت میں ہوتا ہے"۔ عائشہ کہتی ہیں بخدا وہ میرے پاس سے گئی بھی نہ تھی کہ رسول اللہ کی دعا کا اثر مجھے اُسمیں نظر آنے لگا۔ پھر تو اس کی یہ حالت ہوگئی کہ خود مجھے نصیحت کیا کرتی تھی"۔ عائشہ، اپنی نماز اچھی طرح ادا کیا کرو ؑ

(انصار سے محبت)

انصار سے اُنکے اخلاص، محبت، پاک دلی اور فدائیت کی وجہ سے آپ کو جو محبت تھی معلوم ہے، یہ محبت ہمیشہ بڑھتی ہی رہی اور آخر دم تک اُسمیں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی۔ اوپر دیکھ چکے ہو کہ آغاز مرض والے خطبہ میں مسلمانوں کو انصاریوں سے حسن سلوک کی کتنی تاکید فرمائی تھی؟ دوران مرض میں بھی بار بار اُن کی محبت کا جوش اُٹھتا تھا اور برابر اُن کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دن سر پر رُومال باندھے برآمد ہوئے تو دروازہ پر انصاری مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم دیکھا۔ یہ آپکی بیماری سے سخت مضطرب و پریشان تھے۔ آپ اُنکے مغموم مگر پژمردہ چہرے دیکھکر بیچین ہوگئے، اور بڑے جوش سے فرمانے لگے، "قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اے انصار! میں تم سے بڑی ہی محبت کرتا ہوں"، پھر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے" انصاریوں نے تو وہ سب بے باق کر دیا جو اُنکے ذمہ تھا لیکن تمہارے ذمہ اُنکے تمام حقوق باقی ہیں۔ دیکھو اُنکے نیکوں سے نیکی کرنا اور بدوں سے ؎ درگزر ؏"

؎ ابویعلی، طبرانی، بیہقی (خصائص) ابن سعد ؏ مسند انس وابن سعد امعناہ۔

؎ مصعب بن الزبیر نے ایک مرتبہ ایک انصاری علیہ کی شکایت سنی اور اُسے سزا دینا چاہی (بقیہ صفحہ ۴۳)

(ایک اور خطبہ)

ایک اور موقعہ پر ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عباس، انصاریوں کی ایک جھلک کی طرف سے گزرے وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ انھوں نے سبب پوچھا تو کہنے لگے ہمیں رسول اللہ کی صحبتیں یاد ہوتی ہیں! دونوں صحابیوں نے لوٹ کر آنحضرت کو اس واقعہ کی اطلاع دی آپ نہایت متاثر ہوئے۔ کندھے پر چادر ڈالے، فرق مبارک پر سیاہی مائل بھوری پٹی باندھے فوراً برآمد ہوئے۔ منبر پر بیٹھ گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"اما بعد، میں تمھیں انصار سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں وہ میرا صندوق اور تھیلی تھے۔ انھوں نے وہ سب ادا کر دیا جو اُن کے ذمہ تھا لیکن تمھارے ذمہ ان کے تمام حقوق باقی ہیں۔ سب لوگ زیادہ ہو جائیں گے مگر انصار کم ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔ پس تم میں جو کوئی ایسا رتبہ پائے جس میں وہ کسی کو نفع نقصان پہنچا سکتا ہے تو اُسے چاہئے کہ انصار کے اچھوں سے اچھا سلوک کرے، اور بروں کو معاف کر دے"[۱]

(ایک عجیب خطبہ)

ایک اور موقعہ پر انصار آپ کی بڑھتی ہوئی بیماری کا حال سُنکر مسجد میں جوق جوق اکٹھے ہو گئے اور بے چینی ظاہر کرنے لگے۔ کسی نے آکر خبر دی کہ انصار مسجد میں جمع ہیں اور رو رہے ہیں۔ فرمایا کیوں رو تے ہیں؟ کہا گیا آپ کی وفات سے خائف ہیں[۲]۔ اسی اثنا میں حضرت عباس

(بقیہ صفحہ ۴۲) حضرت انس کو معلوم ہوا تو فوراً پہنچے اور رسول اللہ کی انصار کے حق میں یہ وصیت سنائی۔ مصعب پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اپنے تئیں تخت سے گرا دیا اور فرش پر رخسار رکھ کر کہنے لگے "رسول اللہ کا حکم سر آنکھوں پر" پھر انصاری کو معاف کر دیا (مسند انس ابن سعد) [۱] بخاری علامات النبوۃ والفضائل [۲] ابن سعد۔

آگئے اور عرض کرنے لگے "مسجد میں انصار جمع ہیں" پھر فضل بن عباس بھی خبر لائے۔ پھر حضرت علی نے آکر یہی کہا۔ اس پر آپ بےچین ہوگئے۔ سر میں درد بہت تھا۔ نقاہت سے زمین پر پاؤں نہ ٹکتے تھے مگر اُٹھے اور حضرت علی اور فضل کے گلے میں باہیں ڈالے بڑی جدوجہد سے مسجد میں تشریف لے گئے منبر پر چڑھ نہیں سکتے تھے، مجبوراً پہلی ہی سیڑھی پر بیٹھ گئے مسلمانوں نے اپنے نبی کو دیکھا تو دوڑ پڑے آپ نے حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا:

"لوگو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے بہت ڈرتے ہو۔ لیکن کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی بھی اپنی اُمت میں ہمیشہ زندہ موجود رہا ہو کہ میں تم میں ہمیشہ جیتا رہوں؟ لوگو، سنو! میں اپنے رب سے جلد مل جانے والا ہوں اور تم سب بھی اُس کے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں تمھیں مہاجرین اولین سے اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ خود مہاجرین کو میری وصیت یہ ہے کہ اپنے آپس میں نیک سلوک کرتے رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر[۱] "تمام معاملات اللہ بزرگ و برتر ہی کے اذن و حکم سے چلتے ہیں۔ کسی معاملہ کی دیر اُس کے جلد ہو جانے کی خواہش پر تمھیں آمادہ نہ کرے کیونکہ خداوند عالم کسی کی جلدبازی سے جلدی نہیں کرتا جو کوئی خدا کو زیر کرنا چاہتا ہے خدا اُسے زیر کر ڈالتا ہے اور جو اُسے دھوکہ دینا چاہتا ہے وہ اُسے اپنی تدبیر سے نیچا دکھا دیتا ہے! فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم[۲] اور اے لوگو، میں تمھیں انصار سے مہربانی کی وصیت کرتا ہوں یہ وہی ہیں جو تم سے

---

[۱] قسم زمانہ کی انسان خسارہ میں ہے بجز اُنکے جو ایمان لائے، نیک کام کئے، اور باہم حق و صبر کی وصیت کی۔

[۲] کیا تم سے بعید ہے کہ اگر پھر بیٹھو تو لگو زمین میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے؟"

پہلے ایمان لائے ہیں کیا انھوں نے اپنے رزق میں تمھارا حصہ نہیں لگایا؟ کیا انھوں نے تمھیں اپنی آدھی روزی بانٹ نہیں دی؟ کیا انھوں نے اپنے گھروں میں تمھارے لیے جگہ نہیں نکالی؟ کیا انھوں نے خود تکلیف نہیں جھیلی اور اپنے اوپر تمھیں ترجیح دے کر آرام نہیں پہنچایا؟ پس سنو، جس کسی کو دو آدمیوں پر بھی حکومت کا کوئی اختیار حاصل ہو اسے چاہیے کہ ان کے نیکوں کی نیکی قبول کرے اور ان کے بُروں سے درگزر کرے۔ خبردار انکے مقابلہ میں خودغرضی نہ کرنا، سنو، میں تمھارے آگے پیش خیمہ ہوں اور تم میرے پیچھے آنے والے ہو۔ تم سے ملاقات کا وعدہ حوض پر ہے۔ سنو سنو، تم میں سے جو چاہتا ہو کہ کل حوض پر مجھ سے آملے تو اُسے چاہیے کہ اپنی زبان اور ہاتھ روکے اور انہی کاموں میں انھیں استعمال کرے جن میں استعمال کرنا مناسب ہو۔ اے لوگو، گناہ، نعمتوں کو بدل ڈالتے ہیں اور قسمتوں کو پلٹ دیتے ہیں۔ اگر لوگ نیک ہونگے تو اپنے حکام کو بھی نیک پائیں گے۔ اگر بگڑ جائیں گے تو حکام بھی ان سے بدی کرینگے۔“[1]

(مخصوص صحابہ کو وصیت)

دوران مرض میں ایک دن حضرت عائشہ کے حجرہ میں چند مخصوص صحابہ کو جمع کیا اور نہایت ہی مؤثر گفتگو فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے یوں نقل کیا ہے ”ہمارے نبی اور حبیب نے، میرے ماں باپ اور خود میں اُس پر قربان! اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے ہی ہمیں اس ہونے والے حادثہ جانکاہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ جب جدائی قریب پہنچی تو ہمیں ہماری ماں عائشہ کے گھر میں جمع کیا، اور اپنے تئیں بہت سنبھال کے ہم سے کہا: خوش آمدید! اللہ تمھیں سلامت رکھے، اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تمھاری نگہبانی کرے، اللہ تمھارا

[1] المواہب۔

نگہبانی کرے، اللہ تمھاری درستگی کرے، اللہ تمھیں رزق دے، اللہ تمھیں بلند کرے، اللہ تمھیں نفع پہنچائے، اللہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے، اللہ تمھیں بچائے رکھے، میں تمھیں اُسی ذات برتر سے خوف کھانے کی وصیت کرتا ہوں۔ اُسی کے سپردگی میں تمھیں دیتا ہوں۔ اُسی کو تمہارا جانشین بناتا ہوں۔ اور اُسی سے تمھیں ڈراتا ہوں۔ میں اس کی جانب سے تمھارے لئے کھلا ہوا نذیر ہوں۔ خبردار، اللہ پر اُس کے بندوں اور ملکوں میں سرکشی نہ کرنا۔ کیونکہ اُس نے مجھ سے اور تم سے کہدیا ہے: تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین[۵۱]، اور فرمایا: "ألیس فی جھنم مثوی للمتکبرین[۵۲]"، ہم نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی اجل کب ہے؟ فرمایا "تم سے جدائی اور اللہ کی طرف، جنت الماویٰ کی طرف، سدرۃ المنتہیٰ کی طرف، رفیق اعلیٰ کی طرف، کاس اوفیٰ کی طرف، حظ وعیش مہنی کی طرف واپسی قریب آپہنچی[۵۳]"

(جذبۂ دل)

عورتوں کے حقوق کا ہمیشہ بڑا خیال رہتا تھا۔ تمام ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ میں انصاف کرتے تھے۔ سب کی باری بندھی تھی۔ سب کے ہاں باقاعدہ جاتے تھے حتیٰ کہ اس آخری بیماری میں بھی جبکہ چل نہیں سکتے تھے کپڑے میں لدکر سب کے گھر پہنچتے تھے۔ تاہم جانتے تھے دل میں سب کی محبت یکساں نہیں ہے۔ عائشہ کا خیال سب پر غالب ہے۔ کمال تقویٰ ومحاسبۂ نفس کا یہ عالم تھا کہ اس غیر اختیاری جذبہ پر بھی ہمیشہ منفعل رہتے تھے۔ چنانچہ

---

۵۱ دار آخرت ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کرینگے جو زمین پر نہ سرکشی کرتے ہیں نہ فساد۔ آخرت پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔
۵۲ کیا جہنم ہی میں متکبروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟۔ ۵۳ ابن سعد۔

مرض الموت میں بھی ایسے نہیں بھولے اور برابر دعا کرتے تھے "الٰہی، جو میرے بس کی بات ہے اُسے کرتا ہوں اور جو میرے بس کی نہیں تو اُسے معاف کر یو الاہو" یعنی دل کی محبت[۱]۔

حقیقت یہ ہو کہ حضرت عائشہ سے آپ کو غائت درجہ اُلفت تھی، دوران مرض میں بھی اکثر فرمایا کرتے تھے "مجھے اب موت آسان ہو گئی ہو کیونکہ میں نے جنت میں عائشہ کی گوری ہتیلی دیکھ لی ہو[۲]"۔

نیز ایک دن فرمایا "عائشہ، سبز مسواک لے آ، اپنے منھ سے چاب کر مجھے دے تاکہ میرا تیرا لعاب ملے اور موت کی سختیاں مجھ پر آسان ہو جائیں[۳]۔"

(بیبیوں کی چھیڑ چھاڑ)

دوران مرض میں ایک دن تمام ازواج جمع تھیں۔ اُم المؤمنین صفیہ نے کہا "قسم خدا کی اے نبی اللہ میری بڑی ہی آرزو ہو کہ آپ کی بیماری مجھے ہو جاتی اور آپ تندرست ہو جاتے!" اس پر بقیہ ازواج اشارے مارنے لگیں۔ آپ نے اُن کی یہ حرکت دیکھ لی اور فرمایا "کُلّی کرو، کُلّی کرو۔" کہنے لگیں "کیوں؟ کس لئے؟" فرمایا "اپنی ساتھی پر اشارے مارنے کی وجہ سے واللہ صفیہ سچے دل سے کہہ رہی ہے[۴]"۔

(ابوذر کو سینہ سے لگالیا!)

حضرت ابوذر سے بڑی محبت تھی۔ مرض الموت میں ایک دن انھیں یاد فرمایا۔ وہ آئے تو آپ کو سوتا پایا۔ وہ اوپر جھک کر آپکو دیکھنے لگے تو آپ نے آنکھ کھول دی اور انھیں سینے سے لگالیا[۵]

---

[۱] ابن سعد [۲] مسند احمد بحوالۂ المواہب [۳] المواہب [۴] ابن سعد [۵] ابو یعلی فی سنہٖ (کنز)۔

(مشہور واقعۂ قرطاس)

پنجشنبہ کے دن بیماری کا زور زیادہ تھا۔ اسی شدت کے عالم میں آپ نے کاغذ و دوات مانگی کہ وصیت لکھوا دیں۔ مگر صحابہ نے اس خیال سے کہ آپ مرض کی شدت سے متاثر ہو کر بلاقصد ایسا فرما رہے ہیں، کاغذ اور دوات پیش نہیں کی حضرت عبداللہ بن عباس پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا وہ اسے بڑے ہی تاثر سے بیان کیا کرتے تھے۔ سلیمان بن ابی مسلم سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ نے ایک دن مجلس میں فرمایا "پنجشنبہ! آہ تم کیا جانو پنجشنبہ کیا ہے؟ یہ کہہ کر آپ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی سلیمان کہتے ہیں: میں نے کہا "یا حضرت! پنجشنبہ کا کیا معاملہ ہے؟" کہنے لگے "اس دن رسول اللہ پر تکلیف بہت تھی۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا کاغذ لاؤ[1] تاکہ میں تمھیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے"۔ اس پر صحابہ میں جھگڑا پیدا ہوا، حالانکہ نبی کے حضور میں جھگڑا روا نہیں۔ صحابہ کہنے لگے "آپ کی یہ کیا حالت ہو رہی ہے؟ ہذیانی کیفیت تو نہیں ہے؟ اچھی طرح مطلب دریافت کرو"[2] چنانچہ آپ سے مطلب پوچھنے لگے تو فرمایا "مجھے رہنے دو، مجھے چھوڑ دو، جس حال میں میں ہوں وہ اُس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو" پھر تین باتوں کی وصیت کی: مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو، وفد کو ویسا ہی عطیہ دو جیسا میں خود دیتا[3]" راوی کہتا ہے تیسری بات[4] حضرت ابن عباس نے نہیں بتائی یا

عــہ حدیث میں کتف "او طبق" کے لفظ ہیں۔ اسکے معنی شانہ کی ہڈی کے ہیں۔ اُس زمانہ میں اِس ہڈی پر لکھا کرتے تھے (فتح الباری) عــہ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ الفاظ حضرت عمر نے کہے تھے۔ ــہ معلوم ہوتا ہے کوئی وفد آپ کی خدمت میں آیا ہوا تھا جسے کچھ عطیہ دینا تھا للعــہ متعدد علماء نے تیسری وصیت یہ بتائی ہے کہ "اسامہ کی فوج بھیج دینا" (فتح الباری)

بتائی اور میں بھول گیا"

دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے تحریر لکھنے کے لئے فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا "رسول اللہ پر بیماری کا غلبہ ہوگیا ہے۔ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور کتاب اللہ ہی ہمارے لئے کافی ہے" اور بعض کہنے لگے، "نہیں کاغذ پیش کردو تاکہ آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد پھر کبھی گمراہ نہ ہو" اور بعضوں نے کچھ اور کہنا شروع کیا۔ جب اختلاف بہت بڑھا اور شور مچنے لگا تو آپ نے فرمایا "میرے پاس سے جاؤ"[1]

حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے "ہم نبی صلعم کی خدمت میں حاضر تھے اور ہمارے اور عورتوں کے درمیان پردہ پڑا تھا کہ آپ نے فرمایا "مجھے سات مشکوں سے نہلاؤ اور کاغذ دوات لاؤ تاکہ ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو" اسپر عورتوں نے کہنا شروع کیا، "رسول اللہ جو کچھ مانگتے ہیں تم دیتے کیوں نہیں؟" میں نے اُن سے کہا "چپ بیٹھی رہو، تم ہی رسول اللہ کی مصیبت ہو۔ آپ بیمار ہوتے ہیں تو لٹسوے بہاتی ہو، تندرست ہوتے ہیں تو گردن لیتی ہو" آنحضرت نے میرا جواب سُن لیا اور فرمایا "وہ تم سے اچھی ہیں"[2]

بعینہٖ یہی روایت ابن عباس سے ایک اور طریقے سے مروی ہے۔ کہتے ہیں "نبی صلعم نے فرمایا "دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تمھیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے" اسپر عمرؓ نے کہا "فلاں، فلاں رومی شہر کون فتح کریگا؟ نہیں، رسول اللہ اُس وقت تک فوت نہیں ہونگے جب تک ہم یہ شہر فتح نہ کرلیں، اور اگر آپ مرجائیں گے تو ہم آپکی واپسی کا اُسی طرح انتظار کرینگے جس طرح بنی اسرائیل موسیٰ کے منتظر ہوئے تھے" حضرت

---

[1] متفق علیہ [2] ابن سعد

زینب نے کہا "سنتے نہیں رسول اللہ تمھیں کیا حکم دے رہے ہیں؟" اس پر صحابہ میں تکرار ہونے لگی اور آپ نے فرمایا "اٹھ جاؤ"[۱]

فتح الباری میں ہے کہ کاغذ لانے کا حکم آپ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ خود اُن کا بیان ہے:

"آپ کا سر میری کلائی پر رکھا تھا اچانک فرمانے لگے "علیؓ کاغذ لے آ کہ میں ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد میری اُمت کبھی گمراہ نہ ہو گی" حضرت علیؓ کہتے ہیں میں ڈرا کہ جاؤں اور حضور کا طائر روح پرواز کر جائے۔ چنانچہ میں نے عرض کی "آپ فرمائیے۔ میں غور سے سنوں گا اور یاد کر لوں گا" فرمایا "میں وصیت کرتا ہوں نماز کی، زکوٰۃ کی، اور اُن کی جو تمھارے ہاتھ میں لونڈی غلام ہیں"[۲][۳]

---

[۱] ابن سعد [۲] مسند علیؓ، ابن سعد۔

[۳] ہم نے یہ مشہور واقعہ قرطاس جیسا کتب حدیث میں مروی ہے یہاں نقل کر دیا جن لوگوں نے علامہ شبلی نعمانی مرحوم کی "الفاروق" دیکھی ہے شاید کبیدہ خاطر ہوں گے کہ ہم نے یہ روایت کیوں درج کی جس میں ہندوستان کا مسلّم مورخ کلام کر چکا ہے؟ ہمارا عذر یہ ہے کہ ہم اس روایت کو معتبر سمجھتے اور اس بارے میں علامہ مرحوم سے بالکل مختلف رائے رکھتے ہیں۔ علامہ نے یہ روایت اس لئے مجروح ٹھہرائی ہے کہ اُن کے خیال میں حضرت عمرؓ کے خلاف پڑتی تھی لیکن ہم اسے حضرت عمرؓ کے ہرگز خلاف نہیں سمجھتے۔ سیدھی سی بات ہے۔ آنحضرت سخت بیمار تھے اُسی حالت میں فرماتے ہیں "میں تمھیں ایسی تحریر لکھ دوں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے" حضرت عمرؓ بجا طور پر سوچتے ہیں کہ کتاب اللہ کے علاوہ وہ ایسی کون تحریر ہو سکتی ہے؟ پھر غور کرتے ہیں کہ آپ یہ کیوں فرما رہے ہیں؟ پھر صورت حال سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید آپ مرض کی شدت سے متاثر ہو گئے ہیں چنانچہ لوگوں سے کہتے ہیں "أهجر العنى؟ استفهموه" کیا آپ پر ہذیانی کیفیت طاری ہے؟ (دیکھو صفحہ ۴۱)

(سات مشکوں سے غسل)

جب مرض میں افاقہ ہوا تو فرمایا "متفرق کنووں سے سات مشکیں لاؤ۔ اُنکے منہ بند هے ہوں مجھ پر انڈیلو تاکہ باہر نکلوں اور لوگوں کو اپنا عہد پہنچاؤں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں ہم نے آپ کو

(بقیہ صفحہ ۳۹) اچھی طرح مطلب پوچھو۔ ظاہر ہے اس واقعہ کے اندر ذرا بھی غرابت نہیں، نہ اس سے رسول اللہ کی کوئی توہین نکلتی ہے۔ نہ حضرت عمر پر بقول مولنا "گستاخی کا الزام" آتا ہے۔ رسول اللہ بشر تھے۔ اگر پیغمبر ہوکر آپ بیمار ہوسکتے تھے تو بیماری کے جملہ اثرات کے ماتحت بھی آسکتے تھے۔ اگر بیمار ہونا باعث توہین نہیں تو بیماری کے کسی اثر سے متأثر ہوجانا کیونکر موجب اہانت ہوسکتا ہے؟

علامہ ممدوح نے جن وجوہ کی بنا پر اس واقعہ کی تضعیف کی ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہیں۔ وہ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ "اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن ... بجز عبداللہ ابن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں" سمجھ میں نہیں آتا مولنا نے یہ دعویٰ کس بنیاد پر کردیا؟ خود فتح الباری (جو دعویٰ کے وقت آپکے پیش نظر تھی) میں موجود ہے کہ آنحضرت نے سامان تحریر لانے کا حکم حضرت علی کو دیا تھا اور پھر اس بارے میں حضرت علی کی سند والی حدیث نقل کی ہے نیز اسی مسند احمد میں حضرت جابر اور خود حضرت عمر سے بعینہ یہ واقعہ مروی ہے۔ ابن سعد نے اس واقعہ پر پورا ایک باب لکھا ہے اور حضرت ابن عباس، علی، عمر، اور جابر کی وہ تمام روایتیں لکھی ہیں کہ جو ہم اوپر درج کرچکے ہیں۔ بنا بریں علامہ مرحوم کا یہ فرمانا کہاں تک درست ہوسکتا ہے کہ کسی اور صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں؟

یہ فرض کرکے کہ اس واقعہ کے راوی صرف ایک ابن عباس ہی ہیں مولنا نے اُن کی روایت کی تضعیف شروع کی ہے" ان کی عمر اُسوقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی" یعنی وہ بچے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۴۲)

حفصہ بنت عمر کے تانبے کے طشت میں بٹھایا اور اوپر سے پانی چھوڑنے لگے یہاں تک کہ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا، "بس کرو"، پھر آپ باہر تشریف لے گئے، نماز پڑھائی پھر بطور اس کے

(بقیہ صفحہ آئم) اور اُن کی روایت قابل اعتنا نہیں۔ ہمیں اس اصول پر بھی تعجب ہے۔ ۱۳-۱۴ برس کی عمر خصوصاً عرب جیسے گرم ممالک میں سن شعور کی عمر ہے۔ بہت سے لڑکے اس سے بھی کم عمری میں سمجھدار ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں کہ کم عمری محل بحث ہو سکے۔ اور اگر ہو بھی تو ابن عباس کے بارے میں تمام علماء رجال متفق ہیں کہ وہ بچپن میں بھی نہایت ذہین و فہیم تھے۔ خود امام بخاری نے جو اس بارے میں سب سے بڑی حجت ہیں اپنی صحیح میں باب باندھا ہے "باب متی یصح سماع الصغیر" (بچہ کا سماع (یعنی حدیث کا سننا اور روایت کرنا) کب معتبر ہے؟) اور اس میں خود انھیں ابن عباس اور ایک دوسرے صحابی سے استدلال کیا ہے کہ باوجود صغر سنی کے اُن کی روایت معتبر ہے۔

مولانا مرحوم و مغفور نے اس واقعہ کی تضعیف کے لئے ایک اور وجہ بھی پیدا کی ہے اور وہ اُن کے خیال میں سب سے بڑی وجہ ہے۔ فرماتے ہیں "سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقعہ پر عبداللہ بن عباس موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ اُنھوں نے کس سے سُنا" پھر اس عبارت پر حاشیہ میں فرماتے ہیں "بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے" پھر اس کے لئے "فتح الباری۔ باب کتابۃ العلم" کا حوالہ نقل فرمایا ہے۔ در اصل ہمیں مولانا کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ ہماری دانست میں کسی محدث نے بھی ابن عباس کی عدم موجودگی ثابت نہیں کی اور نہ فتح الباری باب کتابۃ العلم میں یہ بحث موجود ہے۔ فتح الباری میں جو کچھ لکھا ہے وہ راوی کے اس قول کے متعلق ہے کہ "فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ (دیکھو صفحہ ۴۳)

کہ زندوں اور مُردوں سے رخصت ہورہے ہیں ۸ برس بعد شہداء اُحد پر نماز[عـہ] پڑھی اور دیر تک اُنکے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے اور حسب ذیل خطبہ دیا:

(یادگار خطبہ)

"میں تمھارا میر منزل ہوں اور تم پر شہید ہوں، تم سے ملاقات کا وعدہ حوض (کوثر) پر ہے، میں اسوقت حوض پر کھڑا ہوں اور اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہوجاؤ لیکن جس بات سے ڈرتا ہوں وہ دُنیا ہے۔ کہیں اُس کی ہوس میں باہم منافست نہ کرنے لگو[عـہ] آپس میں لڑو اور اُسی طرح ہلاک ہوجاؤ جس طرح اگلی قومیں ہلاک ہوچکی ہیں۔ اے مہاجرین! انصار کے حق میں میری نیک وصیت کا خیال رکھنا۔ سب لوگ زیادہ ہوجائیں گے مگر انصار نہیں بڑھینگے۔ انصار میری تھیلی تھے جس میں میں نے پناہ لی۔ پس اُنکے اچھوں سے اچھا سلوک کرنا اور بدوں سے درگزر کرنا[عـہ]۔ سنو، اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا اور

(بقیہ صفحہ ۴۲) "دبین کتابہ" (ابن عباسؓ کہتے ہوئے نکلے کہ سراسر مصیبت یہ ہوئی کہ رسول یہ تحریر لکھنے نہ پائے) چنانچہ لکھا ہے" روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس صحابہ کے ساتھ موجود تھے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔ حالانکہ اُنکے نکلنے سے یہاں مقصود یہ ہے کہ جس جگہ آپ بیٹھے یہ واقعہ روایت کررہے تھے وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے چلے گئے" ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ فتح الباری نے اصل واقعہ کے وقت ابن عباس کی موجودگی اور عدم موجودگی پر سرے سے بحث ہی نہیں کی بلکہ اِس شبہ کو صاف کیا ہے کہ اِس روایت میں اُنھوں نے یہ جملہ کس حالت میں کہا تھا؟ دراصل مولانا مرحوم سے اِس مسئلہ میں تسامح ہوگیا ہے۔ خدا ہمیں اور اُنھیں معاف کرے۔ عـہ روایتوں میں "صلاۃ" کا لفظ آیا ہے جسکے معنی نماز اور دعا دونوں کے ہیں۔ محدثین میں اختلاف ہے کہ آپ نے شہدا پر نماز پڑھی تھی یا اُنکے لئے دعا کی تھی؟ سلہ بخاری میں بھی باختلاف الفاظ یہی مضمون ہے۔ سلہ ابن ہشام

دُنیا کی نعمتوں اور مسرتوں میں سے جتنا چاہے لے لے یا جوارِ خداوندی کی سعادتوں کو قبول کرے اُس بندے نے جوارِ خداوندی کی سعادت پسند کرلی"۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق یہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ آپ خود اپنے ہی بارے میں فرما رہے ہیں۔ بےچارہ زار زار رونے اور عرض کرنے لگے" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے ماں باپ اور ہماری تمام آل اولاد آپ پر قربان ہیں!" لیکن اور صحابی کچھ نہ سمجھے، نہ آنحضرت کا اشارہ سمجھے نہ حضرت صدیقؓ کا جواب ہی سمجھے۔ بلکہ اُن کے اِس بظاہر بے موقعہ جواب پر تعجب کرنے لگے۔ چنانچہ ابوسعید خدری کہتے ہیں" ہمیں آبوبکرؓ کے رونے پر بہت حیرت ہوئی اور ہم میں سے بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا" اِس بڑھے کو دیکھو، رسول اللہ تو ایک شخص کا قصہ سُنا رہے ہیں جسے خدا نے اختیار دیا کہ چاہے دُنیا اور اُس کی مسرتیں لے چاہے اُس کا جوار پسند کرے۔ اور یہ کہتا ہے" ہم اور ہمارے ماں باپ قربان!" بعد میں ابوسعید افسوس سے کہا کرتے تھے "لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ آبوبکرؓ ہم میں رسول اللہ کو سب سے بہتر جاننے والے تھے اور یہ کہ آپ نے یہ اشارہ خود اپنی ہی وفات کی طرف کیا تھا"

(خلتِ الٰہی اور اخوتِ اسلام)

غرضکہ جب آبوبکرؓ روئے اور رسول اللہ کو یہ جواب دیا تو آپ نے اُنھیں تسلّی دی کہ "لبس آبوبکر لبس" پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا" دیکھو یہ مسجد میں دروازے نکلے ہوئے ہیں ان سب کو بند کردو۔ صرف آبوبکرؓ کے گھر کا ایک دروازہ باقی رہنے دو[ع]۔ کیونکہ کوئی ایسا نہیں

ع حضرت آبوبکرؓ کا یہ گھر برابر اُنکے قبضہ میں رہا یہاں تک کہ بعض آدمیوں کو عطیہ دینے کے لئے اُنھیں روپیہ کی ضرورت ہوئی اور حضرت حفصہؓ کے ہاتھ ہزار درہم میں فروخت کرڈالا۔ پھر حضرت حفصہ (دیکھو صفحہ ۲۲)

جس کا مجھ پر احسان ہو اور ہم نے اُس کا بدلہ اُتار نہ دیا ہو۔ بجز ابوبکر کے جس کا احسان مجھ پر باقی ہے قیامت میں خدا اُسے اس کا عوض دے گا۔ ۹۔ میں کسی کو نہیں جانتا جس نے میری رفاقت میں ابوبکر سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہو۔ اُس نے اپنی جان اور مال سے میری مدد کی۔ ۱۰۔ اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا، بلالؓ کو آزاد کیا اور مجھے دار الہجرۃ تک سوار کر لایا۔ میں ہر خلیل سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ اگر میں بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو بے شک ابوبکر کو خلیل بناتا! لیکن ہمارے درمیان صحبت اور اسلام کی محبت و اخوت ہے، یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس جمع کر لے۔ تمہارا ساتھی (یعنی خود آپ) صرف اللہ کا خلیل ہے۔ ۱۱۔"

(بقیہ صفحہ ۴۴) اُمیر خلافت عثمانی تک تابعین ہیں۔ جب مسجد نبوی میں اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عثمان نے اُنھیں ایک اور اس سے بہتر گھر دیکر یہ مکان لے لیا اور مسجد میں داخل کر دیا (فتح الباری فضل ابی بکر) اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب آپ نے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمر نے منت کی کہ میرے گھر میں ذرا سا سوراخ ہی رہنے دیجئے تاکہ جب آپ نماز کے لئے باہر آئیں تو میں دیکھ سکوں مگر آپ نے منظور نہیں کیا (ابن سعد)

۹ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ پر ۴۰ ہزار درہم خرچ کئے تھے اور آخر میں اتنے غریب ہو گئے تھے کہ وفات کے وقت نہ کوئی دینار پاس تھا نہ درہم (فتح الباری فضل ابی بکر)

۱۰ ترمذی۔ فتح الباری فضائل ابی بکر ۱۱ طبرانی، ابن عساکر (فتح الباری فضائل ابی بکر) ۱۲ یہ واقعہ ابن ہشام، بخاری (باب احد و باب الہجرۃ الی المدینۃ و کتاب الفضائل و کتاب الصلوۃ و باب مرض النبی) و ابن سعد و مسند عائشہ و مسند ابن مسعود و مسند ابی سعید الخدری کی متعدد روایات سے ماخوذ ہے۔

بظاہر یہ خطبہ غیر اہم معلوم ہوتا ہے، حالانکہ آپ کے اہم ترین خطبوں میں سے ہے۔ اس میں آپ نے تمام آدمیوں کی خلّت سے برأت کا اعلان کیا ہے۔ خلّت کی تفسیر میں اہل لغت وحدیث نے بہت کچھ کہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلّت، دوستی، مصاحبت، رفاقت سے بھی زیادہ ایک گہرا تعلق ہے۔ آپ نے اس اعلان سے یہ بات بالکل صاف کردی کہ کسی فرد بشر کو حتیٰ کہ ابوبکر صدیق کو بھی باوجود اپنے جملہ محاسن وفضائل کے آپ کے ساتھ کوئی غیر معمولی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ یہ اعلان آپ نے کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس طرح کی خصوصیت وامتیاز کے مدعی آپ کے بعد پیدا نہ ہوجائیں اور اسلام میں کوئی ویسی مقدس مذہبی گدی قائم نہ ہوجائے جیسی مسیحیت میں حضرت عیسیٰ کے بعد پاپائیت کے نام سے قائم ہوگئی ہے کہ جس کا مالک حضرت مسیح کی اپنی خاص خصوصیتوں کے دعوے کی بنا پر عام انسانوں سے بلند، معصوم اور شریعت کا بلاشرکت غیرے تنہا مفسر بن بیٹھا ہے۔ اگر اس صفائی سے آپ اس چیز کا سدباب نہ کرجاتے تو مسلمانوں میں بے شمار فتنے پیدا ہوجاتے، اور شریعت الٰہی اپنی بلندی سے گر کر انسانوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بنجاتی۔ نئے نئے مدعی پیدا ہوجاتے اور ہر کوئی یہی کہتا کہ ہم رسول اللہ کے خلیل ہیں یا رسول اللہ کے خلیل کے خلیل ہیں، اس لئے ہمیں کو مانو اور ہماری ہی سنو۔ ایک خلافت نے باوجود دنیاوی منصب ہونے کے کتنی مصیبتیں پیدا کردیں۔ اگر اس کے ساتھ خلّت کا روحانی منصب بھی قائم ہوجاتا تو دین حق کی آج نہیں معلوم کیا حالت ہوتی؟

(اپنے غسل کی وصیت)

غرضکہ خطبہ کے بعد حضرت عائشہ کے حجرہ میں واپس تشریف لے گئے اور حضرت علی کو وصیت کی "تو ہی مجھے نہلانا کیونکہ جو کوئی میرا ستر دیکھے گا اس کی آنکھیں پھوٹ

ہوجائیں گی۔[1] حضرت علیؓ نے عرض کی "لیکن یا رسول اللہ میں ڈرتا ہوں آپ کو غسل نہ دے سکوں گا" فرمایا "نہیں، تجھے اس کی توفیق عطا کی جائے گی"[2]

(خلافت اور حضرت علیؓ و عباسؓ)

وفات سے تین دن پہلے یعنی جمعہ کے روز اچانک طبیعت بحال ہوگئی اور لوگوں کو اُمید بندھی کہ انشاء اللہ اب صحت ہوجائے گی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ آپ کے پاس سے باہر نکلے تو صحابہ نے بڑی بیتابی سے پوچھا "ابوالحسن! آج رسول اللہ کی کیا حالت ہے؟" حضرت علیؓ نے کہا "آج بحمد اللہ تندرست اُٹھے ہیں" لیکن حضرت عباسؓ، جو تجربہ کار تھے، آج آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ خیریت نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؓ کو الگ لے گئے۔ اور کہنے لگے "بخدا تو تین دن بعد ڈنڈے کا غلام ہوگا۔ واللہ میں سمجھتا ہوں رسول اللہ شفا نہیں پائیں گے۔ عنقریب اسی بیماری میں قضا کر جائیں گے۔ موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے میں پہچانتا ہوں۔ آؤ، ہم آنحضرت کی خدمت میں چلیں اور اس معاملہ (یعنی خلافت) کے متعلق دریافت کرلیں۔ اگر یہ ہم میں رہے گا تو معلوم ہوجائے گا۔ اگر دوسروں میں ہوگا تو ہمارے حق میں اچھی وصیت فرمادیں گے۔" اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا "اگر ہم رسول اللہ سے خلافت مانگیں گے اور آپ انکار کردیں گے تو لوگ ہمیں پھر کبھی نہیں دیں گے۔ واللہ میں رسول اللہ سے اس قسم کی خواہش نہیں کروں گا"[3]

ع۔ ابن اسحاق کی روایت میں یہ واقعہ عین وفات کے دن کا ہے (فتح الباری)

[1] ابن سعد [2] ابن عساکر فی تاریخہ۔

[3] بخاری مرض النبی و وفاتہ۔

(خلافت اور حضرت ابوبکرؓ)

خود رسول اللہ صلعم کو بھی اس کا احساس تھا کہ کہیں آپ کے بعد لوگ خلافت میں جھگڑ نہ ڈالیں۔ چنانچہ بار بار اس بات کا فیصلہ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر خلافت کو کامل جمہوری منوال میں چھوڑ جانے کی خاطر رک جاتے تھے۔ چنانچہ جب ایک دن مرض نے بہت سختی اختیار کی تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے فرمایا "جا اور کوئی جلد (یا تختی) لے آ کہ میں ابوبکرؓ کے حق میں ایک تحریر لکھ کر اختلاف کی راہ بند کر دوں"، مگر جب عبدالرحمٰن لینے جانے لگے تو آپ نے یہ کہکر روک دیا "اے ابوبکرؓ، اللہ کو اور مومنین کو یہ منظور نہ ہوگا کہ تجھ پر اختلاف کیا جائے"[۱]

(رسول اللہ کا محبوب)

اور پر گزر چکا کہ مرض الموت سے دو دن[۲] پہلے آپ نے رومیوں پر حملہ کے لئے ایک فوج مرتب کی تھی۔ فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ[۳]، ابو عبیدہ، سعد، سعید، قتادہ بن النعمان، سلمہ بن اسلم وغیرہم بطور سپاہی کے داخل تھے اور اس کی سپہ سالاری اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کے لڑکے اسامہؓ کے سپرد کی تھی۔ یہ بہت کم سن تھے کل اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ اسیر عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی[۴] جیسے لوگوں نے نکتہ چینی شروع کی کہ ایسے ایسے معزز مہاجرین و انصار پر اس کمسن لڑکے کو افسر بنا دیا ہے! نیز آپ نے محسوس کیا کہ فوج کی روانگی میں دیر کی جا رہی ہے چنانچہ یوم شنبہ تاریخ ۱۰۔ ربیع الاول[۵] کو جبکہ مرض کافی سخت ہو چکا تھا، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی اور وفات میں صرف دو دن[۶] باقی تھے آپ سر پر پٹی باندھے مسجد میں تشریف لائے

---

[۱] مسند عائشہ [۲] ابن سعد [۳] فتح [۴] فتح [۵] بعض لوگ ان دونوں کے فوج میں ہونے کو تسلیم نہیں کرتے

اور منبر پر بیٹھکر حمد وثنا کے بعد خطبہ دیا:

"لوگو، اسامہ کی فوج روانہ کردو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اسامہ کے بارے میں نکتہ چینی کرتے ہو اور اس کی سرداری پر معترض ہو۔ قسم خدا کی اگر تم اُس کی سرداری میں کلام کرتے ہو تو اس سے پہلے اُس کے باپ کی سرداری میں بھی کلام کر چکے ہو۔ حالانکہ وہ بھی امارت کا اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا۔ اور یہ بھی اس کا اہل ہے۔ اور اپنے باپ کے بعد میرے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے ہے۔ اے لوگو، میں تمھیں اسامہ سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمھارے اخیار میں سے ہے"[۱]

(اللہ سے حسن ظن)

حضرت جابر کی روایت ہے کہ وفات سے تین دن پہلے (یعنی جمعہ کے روز) آپ نے فرمایا "دیکھو تم میں سے ہر ایک اسی حالت میں مرے کہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔ کیونکہ بہت سے لوگ اُس ذات برتر سے سوء ظن رکھنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ؛ وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم فاصبحتم من الخاسرین"[۲]

(تعظیم قبور)

آپکی دعوت، ابطال شرک اور تاسیس توحید تھی۔ شرک کا سب سے بڑا ذریعہ قبروں کی تعظیم ہے مرض الموت میں اس کی بار بار سخت ممانعت فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ازواج مطہرات میں سے اُم سلمہ اور اُم حبیبہ ملک حبش ہجرت کر چکی تھیں۔ ایک دن اُنھوں نے آپ کی بیماری کے زمانہ میں حبش کے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام "ماریہ" ہے اور اُس کی

---

[۱] بخاری (کتاب الفضائل وباب مرض النبی ووفاتہ) کی مختلف حدیثوں اور مسند ابن حنبل سے یہ واقعہ لیا گیا ہے [۲] ابن سعد

خوبصورتی اور تصویروں کی بہت تعریف کی۔ رسول اللہ صلعم نے اُن کی باتیں سُنکر فرمایا "اُن قوم کی یہی حالت ہو کہ جب اُسمیں کوئی نیک آدمی ہوتا ہو اور مرجاتا ہو تو یہ اُس کی قبر عبادت گاہ قائم کر دیتی ہو اور پھر اسمیں تصویریں بناتی ہو۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین خلائق ہیں[۱]"

اِس بات کا اِس قدر خیال تھا کہ مرض الموت میں لعنت کرتے تھے اور فرماتے تھے، "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ اُنھوں نے اپنے انبیار کی قبروں کو عبادت گاہ ٹھہرالیا"۔ یہ حدیث روایت کرکے حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں" اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر بھی کھلی جگہ میں بنائی جاتی لیکن ڈر پیدا ہوا کہ مبادا اُسے بھی سجدہ ٹھہرالیا جائے[۲]"۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود اپنے بارے میں بار بار دعا کرتے تھے "اے خدا میری قبر کو بُت نہ ہونے دیجیو کہ اُس کی پرستش کی جائے! اُن لوگوں پر خدا کا غضب سخت ہوگیا جنھوں نے اپنے انبیار کی قبروں کو سجدہ ٹھہرالیا ہو[۳]"۔ یہی نہیں بلکہ زندگی کے آخری لحموں میں بھی جبکہ شدتِ مرض سے کپڑا کبھی مُنہ پر ڈالتے اور کبھی ہٹاتے تھے، برابر فرمائے جاتے تھے "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ اُنھوں نے اپنے انبیار کی قبروں کو عبادت گاہ ٹھہرالیا" (حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ یہ حدیث روایت کرکے کہتی تھیں) "مسلمانوں کو یہ کہہ کر یہود و نصاریٰ کی طرح عمل کرنے سے ڈرایا ہو[۴]"۔

(زبردستی دوا پلائی گئی)

اتوار کے دن حالت زیادہ خراب تھی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں آپکے پہلو میں ایک درد اُٹھا

---

[۱] بخاری (ہجرۃ الحبشہ) ابن سعد [۲] بخاری (مرض النبی ووفاتہ وکتاب الجنائز) [۳] ابن سعد، [۴] ابن سعد، ابن ہشام

کرتا تھا جسے ہم اُس وقت اپنی لاعلمی کی وجہ سے "عرق الکلیہ" (گردہ کی رگ) کہتے تھے۔ چنانچہ اس دن بھی اُٹھا اور اتنا سخت ہوگیا کہ آپ بیہوش ہوگئے۔ ہمیں آپ کی زندگی کا اندیشہ ہوگیا۔ تمام لوگ گھبرا گئے اور ہم نے گمان کیا کہ آپ کو ذات الجنب کی بیماری ہے۔ یہ حال سنکر ازواج مطہرات اور مسلمانوں کی بہت سی عورتیں گھر میں جمع ہوگئیں۔ اُنہی میں اسماء بنت عمیس بھی تھیں اور حضرت عباس بھی موجود تھے۔ سب کی صلاح ہوئی آپکے مُنہ میں چمچہ سے دوا اُتار دینا چاہئے۔ آپ اشارہ سے برابر منع کئے جاتے تھے کہ ایسا نہ کرو۔ مگر ہم نے (حضرت عائشہ کہتی ہیں) کہنا نہ مانا اور کہا "سب مریض دوا سے کراہت کرتے ہیں" عباس بولے، "لاؤ میں اپنے ہاتھ سے دوا حلق میں اُتارے دیتا ہوں"۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو دوا کا اثر پایا اور سمجھ گئے کہ یہ حرکت کی گئی ہے۔ چنانچہ خفگی سے فرمانے لگے "میرے ساتھ یہ حرکت کسنے کی؟ تم نے مجھے دوا پلادی حالانکہ میں روزہ سے تھا۔ کیا میں نے اسے منع نہیں کیا تھا؟" ہم نے (عائشہ نے) عرض کی "یا رسول اللہ ہم سمجھے جس طرح ہر مریض کو دوا سے نفرت ہوتی ہے اُسی طرح آپ بھی انکار کر رہے ہیں۔ یہ کارروائی آپکے چچا کی ہے"۔ حضرت عباس عرض کرنے لگے "ہم ڈرے شاید آپ کو ذات الجنب کی بیماری ہو" فرمایا "تم سمجھے خدا نے یہ بیماری مجھ پر مسلط کردی ہے حالانکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اللہ مجھ پر ہرگز نازل نہیں فرمانے کا۔ یہ وہ علاج ہے جسے عورتیں اُس سرزمین کی طرف سے لائی ہیں" (اور ملک حبش کی طرف اشارہ کیا)

(مذاقیہ انتقام)

حضرت عائشہ یہ واقعہ بیان کرکے کہتی تھیں" میں نے آنحضرت کی اپنے چچا کے ساتھ تعظیم کا عجب معاملہ دیکھا۔ آپنے فرمایا "قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، گھر میں کوئی

نہ بچے جسے میری نظر کے سامنے اسی طرح دوا نہ پلائی جائے بجز میرے چچا عباس کے کیونکہ وہ کھانے میں ساتھ شریک نہیں تھے!" چنانچہ پہلے تمام مردوں کو ایک ایک کرکے دوا پلائی گئی۔ پھر عورتوں کی باری آئی حتیٰ کہ ازواج مطہرات بھی اس سزا سے نہ بچیں۔ عائشہ کہتی ہیں ہم نے ایک ایک کرکے سب بیبیوں کو دوا پلائی یہاں تک کہ جب میمونہ کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگیں بخدا میں روزہ سے ہوں۔ اس پر میں نے کہا "کس گھمنڈ میں ہو؟ کیا ہم تمھیں چھوڑ دینگے حالانکہ رسول اللہ قسم کھا چکے ہیں!" چنانچہ انھیں بھی زبردستی دوا پلا دی گئی۔[۱]

(بیماری کیا تھی؟)

آپکی بیماری کے متعلق عام طور پر لوگوں کا یہی خیال تھا کہ ذات الجنب ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت میں ہو کہ ایک دن بشر بن البراء کی ماں عیادت کو آئیں۔ آپ کو بخار بہت تیز تھا۔ انھوں نے جسم مبارک پر ہاتھ رکھ کے کہا "میں نے اتنا تیز بخار کسی کو نہیں دیکھا" آپنے فرمایا "ہاں جس طرح ہمیں ثواب دونا ملتا ہو اُسی طرح ہم پر تکلیف بھی دونی ڈالی جاتی ہو" پھر فرمایا "لوگ کیا کہتے ہیں؟" عرض کی گئی خیال کرتے ہیں آپ کو ذات الجنب کی بیماری ہے فرمایا "اللہ اس بیماری کو مجھ پر مسلط کرنے والا نہ تھا، یہ شیطان کا ایک چونکا ہو لیکن میری بیماری اُس لقمہ کا نتیجہ ہو جو میں نے اور تیرے بیٹے نے خیبر کے دن کھایا تھا۔ یہاں تک کہ اب میرے رشتۂ حیات کے کٹنے کا وقت آگیا"۔[۲]

(بچھونے پر لوٹتے تھے!)

بیماری میں آپ کو تکلیف بہت تھی حتیٰ کہ بچھونے پر پڑے لوٹتے اور برابر پہلو بدلے جاتے

---

[۱] یہ واقعہ ابن ہشام، ابن سعد، مسند عائشہ اور بخاری (مرض النبی ووفاتہ) کی متفرق حدیثوں سے مرتب کیا گیا ہو۔ [۲] ابن سعد

تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں یہ دیکھ کر میں نے عرض کی "یا رسول اللہ آپ اس قدر گھبراتے اور پریشان ہوتے ہیں حالانکہ اگر ہم میں سے کوئی عورت ایسا کرتی تو آپ اس پر بہت تعجب ظاہر کرتے!" آپ نے جواب دیا "کیا تو نہیں جانتی کہ مؤمن پر تکلیف زیادہ ڈالی جاتی ہے تاکہ اُس کی خطاؤں کا کفارہ ہو؟ نیک آدمیوں پر اسی طرح سختی بڑھا دی جاتی ہے[1]۔ نیک آدمی کو ایک کانٹے سے لیکر زیادہ سے زیادہ جو تکلیف پہنچتی ہے، اُس کا ہر تکلیف پر ایک گناہ جھڑتا اور ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے[2]"

(بخار بہت تیز تھا)

عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو جسم بہت جل رہا تھا میں نے آپ پر ہاتھ رکھا[3] اور کہا "بہت تیز بخار ہے!" فرمایا "ہاں، مجھے اُتنا بخار ہے جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے" میں نے کہا یہ اس لئے کہ آپ کو دو ثواب ملیں گے۔ فرمایا "بے شک، جس مسلمان کو بھی ایک کانٹے اور اُس سے زیادہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا اُسکے گناہوں کو اُسی طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کی پت جھاڑ ہوتی ہے[4]"

ابو سعید خدری کہتے ہیں ہم آنحضرت کی عیادت کو حاضر ہوئے تو بخار اتنا تیز تھا کہ بدن پر ہاتھ رکھا نہ جاتا تھا۔ ہم رنج سے "سبحان اللہ! سبحان اللہ!" کہنے لگے۔ آپنے سنا تو فرمایا "انبیاء سے زیادہ کسی پر تکلیف نہیں پڑتی۔ جس طرح ہمیں تکلیف زیادہ ہوتی ہے اُسی طرح ہمیں ثواب بھی زیادہ ملتا ہے۔ ایسے نبی بھی گزرے ہیں جن پر جوئیں مسلط کر دی گئی اور اُس نے اُنھیں قتل کر ڈالا۔ ایسے نبی بھی گزرے ہیں جو اتنی غربت میں مبتلا ہوئے کہ ستر

---

[1] ابن سعد [2] مسند عائشہ (۳) مسند ابن مسعود [5] بخاری کتاب الطب۔

ڈھکنے کو کپڑا تک نہ پاتے تھے۔ صرف ایک چادر لپیٹے رہتے تھے۔[1]

حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں عیادت کو حاضر ہوا تو آپ بخار سے جل رہے تھے۔ میں نے کپڑے پر سے ہاتھ رکھا تو حرارت سے فوراً ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہوا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو کتنا تیز بخار ہوا فرمایا " ہاں باوجود اس کے میں نے بحمداللہ گزشتہ شب ستر سورتیں تلاوت کی ہیں جن میں سبع الطوال بھی داخل ہیں" حضرت عمرؓ نے عرض کی "اے نبی اللہ خدا نے آپکے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں، پھر کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، کچھ تو اپنے حال پر ترس کھائیے" فرمایا، "لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟!"[2]

جب تکلیف بہت بڑھی تو ام سلمہ رونے چلانے لگیں۔ آپ نے فرمایا "چپ، کافر چلاتے ہیں!"[3]

(اسامہ کے لئے دعا)

اسی اتوار کے دن حضرت اسامہ اپنے پڑاؤ سے چلکر مدینہ گئے۔ کیونکہ بیماری کے متعلق خوفناک خبریں انھیں بھی پہنچ گئی تھیں۔ وہ حجرہ میں داخل ہوئے تو آپ بیہوش پڑے تھے، وہ جھکے اور آپکا بوسہ لیا۔ اب آپ نے بھی آنکھیں کھولیں مگر بول نہ سکے۔ لیکن ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اسامہ پر رکھتے تھے۔ اسامہ کہتے ہیں "اس سے میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں"[4]

(موت کی طلب)

جب تکلیف اور بھی زیادہ ہوگئی تو بار بار فرماتے تھے "اے نفس تجھے کیا ہوگیا ہو کہ ہر طرف بھاگتی

---

[1] ابن سعد [2] ابن سعد [3] ابن سعد [4] ابن سعد۔

پھرتی ہے، حالانکہ پہلے جب کبھی بیمار ہوتے تھے تو تندرستی کی دعا کرتے تھے، مگر مرض الموت میں دعا بالکل ترک کر دی تھی۔

(حضرت عثمانؓ سے راز کی باتیں)

انہی آخری دنوں میں ایک دن اس طرح بیہوش ہو گئے کہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ آپ کی بیویاں سمجھیں کہ وفات ہو گئی۔ اسی کرب بلا کی حالت میں آپنے حضرت عثمانؓ سے دیر تک کان میں باتیں کیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گفتگو اُنکے زمانہ میں ہونے والے فتنہ کے بارے میں تھی۔ ابوعبداللہ الجبری نے یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے کہ

"ایک دن میں ام المومنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنکے ہاں حضرت حفصہؓ بنت عمر بھی موجود تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگیں، یہ رسول اللہؐ کی بیوی حفصہؓ ہیں۔ پھر اُن کی طرف متوجہ ہو کر بولیں" میں تمھیں خدا کی قسم دیتی ہوں کہ نہ میرے کسی جھوٹ کی تصدیق کرنا اور نہ سچ کی تکذیب" پھر یہ واقعہ بیان کیا" میں اور تم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھی تھیں کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ میں نے تم سے کہا کیا فوت ہو گئے؟ تم نے کہا میں نہیں جانتی۔ پھر آپ کو افاقہ ہو گیا اور فوراً فرمایا" دروازہ کھول دو" پھر مگاہ بیہوش ہو گئے۔ میں نے کہا کیا تمھارے خیال میں آنحضرتؐ کی روح قبض ہو گئی؟ تم نے کہا میں نہیں جانتی۔ پھر آپ کو افاقہ ہوا اور فوراً فرمایا" دروازہ کھول دو" میں نے تم سے کہا میرے باپ آئے ہیں یا تمھارے باپ؟ تم نے کہا میں نہیں جانتی۔ پھر ہمنے دروازہ کھولا تو حضرت عثمانؓ کھڑے تھے۔ آنحضرتؐ کی اُن پر نظر پڑی تو اُن سے کہا قریب آؤ۔ وہ آئے اور آپ پر جھک پڑے۔ آپنے اُن سے

۱؎ ابن سعد۔

کان میں کچھ باتیں کیں جن کی بابت نہ میں کچھ جانتی ہوں نہ تم۔ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا "جو کچھ میں نے کہا، تو سمجھ گیا؟" عثمانؓ نے کہا ہاں۔ آپ نے اُنھیں پھر قریب بلایا اور پہلی مرتبہ کی طرح اُن پر جُھک پڑے اور کچھ کان میں کہتے رہے جسے ہم بالکل جان نہ سکے۔ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا "جو کچھ میں نے کہا تو نے سمجھ لیا؟" عثمانؓ نے کہا ہاں۔ پھر کہا قریب آ۔ وہ آئے تو بہت زیادہ جُھک پڑے اور کان میں کچھ باتیں کیں۔ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا "تو سمجھ گیا؟" اُنھوں نے کہا "ہاں میرے کانوں نے خوب سُن لیا اور دل نے اچھی طرح سمجھ لیا" آپ نے فرمایا "اچھا اب جا" یہ قصہ سُنکر حضرت حفصہ نے تصدیق کی۔

(آخری رات)

دوشنبہ کی رات آپ نے بڑے ہی اضطراب میں گزاری۔ حالت بہت خراب تھی مگر گھر میں چراغ تک نہ تھا، اندھیرے میں پڑے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے گھر کی دیا ایک عورت کے گھر بھیجی کہ "رسول اللہ موت کی حالت میں پڑے ہیں اپنے ہاں سے اسمیں کچھ روغن ڈال دو"[1] ادھر آپ جلد صبح ہونے کے لئے نہایت بے چین تھے۔ عائشہؓ نے اس آخری رات کی حالت یوں بیان کی ہو کہ "مجھ پر کبھی کوئی ایسی رات نہیں گزری جیسی یہ وفات کے دن کی رات تھی۔ آپ بار بار پوچھتے تھے "عائشہ کیا صبح ہو گئی؟" اور میں برابر کہے جاتی تھی "نہیں" یہاں تک کہ بلالؓ نے صبح کی اذان دی۔ پھر بلالؓ دروازہ پر حاضر ہوئے اور حسب دستور پکار کر کہنے لگے "السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! نماز کا وقت آگیا، آپ پر خدا کی رحمت!" اُن کی آواز سُنکر آپ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی بلالؓ ہے"

---

[1] مسند عائشہ [2] ابن سعد۔

ہیں۔ فرمایا "اپنے باپ سے کہہ نماز پڑھادیں"[له]

دوشنبہ کی صبح کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا ہجوم تھا۔ مدینہ میں کوئی مسلمان مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو شب کو آپ کی نازک حالت سننے کے بعد بیتابانہ مسجد میں دوڑ نہ آیا ہو۔[له]

آخری دن

(آخری دیدار)

بارہ دن بیماری پر گزر چکے تھے۔ تیرہواں دن "دوشنبہ"[عه] دار فانی سے رحلت، عالم جاودانی میں داخلہ، اور جوار خداوندی میں پہنچنے کا دن تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر روح از حد مسرور اور پر نشاط تھی۔ آج صبح اٹھے تو باوجود حد درجہ نقاہت کے نہایت ہشاش بشاش تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں" نماز فجر ہو رہی تھی۔ صفیں جمی تھیں، ابوبکر امامت کر رہے تھے کہ اچانک ام المؤمنین عائشہ کے حجرہ کا دروازہ کھلا، پردہ ہٹا اور ہم اپنی صفوں سے کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کھڑے ہیں اور ہماری صفیں اور نماز کی ترتیب دیکھ کر مسرت سے تبسم فرما رہے ہیں، جمال نبوی دیکھ کر مسلمان خوشی سے اس قدر وارفتہ ہوئے کہ قریب تھا اپنی نماز کے اندر فتنہ میں پڑ جائیں۔ میں نے آنحضرت کو اس گھڑی ایسے حسن و جمال میں دیکھا جیسا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابوبکر نے خیال کیا آپ تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ صف میں ملجانے کے لئے الٹے پاؤں ہٹنے لگے، مگر آپ نے اشارہ سے

عه یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کی ولادت، بعثت، ہجرت یعنی مکہ سے خروج اور مدینہ میں داخلہ، فتح مکہ اور وفات یہ تمام اہم ترین واقعات جنہوں نے دنیا کی تاریخ پلٹ دی، سب کے سب دوشنبہ ہی کے دن واقع ہوئے ہیں (احمد بیہقی عن ابن عباس۔ خصائص) له ابوالشیخ (کنز) له ابن سعد۔

ٹھہرنے کو کہا۔ اور خود سر پر پٹی باندھے تشریف لائے[عہ]، یہاں تک کہ ابوبکر کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ اُس وقت آپ دھاری دار چادر اوڑھے تھے اور اُس کے پلّو کاندھوں پر پڑے تھے[۱]۔

(آخری خطبہ)

نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کیا اور اس قدر بلند آہنگی سے خطبہ دیا کہ آواز مسجد کے دروازہ سے باہر نکل گئی۔ فرمایا، "مبشرات نبوت میں سے بجز رویائے صادقہ (سچے خواب) کے کچھ باقی نہیں رہا جنھیں مسلمان سوتے میں دیکھے۔ سنو، مجھے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ رکوع میں رب کی عظمت ظاہر کرو اور سجود میں خوب گڑگڑا کر دعا مانگو، کیونکہ اس حال میں دعا قبول ہونے کی زیادہ اُمید ہے[۲]۔ لوگو، دوزخ بھڑکا دی گئی، فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح آپہنچے۔ واللہ، تم مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو قرآن نے حلال ٹھہرائی ہے اور اُسی کو حرام بتایا ہے جو قرآن میں حرام ہے۔ اے خاندانِ عبدِ مناف! میں خدا کے مقابلہ میں تمھارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔ اے عباس عبدالمطلب کے بیٹے! میں خدا کے مقابلہ میں تیرے ذرا بھی کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی اور رسول اللہ کی پھوپھی! اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! ثواب خداوندی کے لئے

عہ صحاح کی روایتوں میں صرف اسقدر ہے کہ آپ مسکرائے اور اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا پھر حجرہ کا پردہ گرگیا اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لائے لیکن مسند احمد وغیرہ میں آپکا برآمد ہونا، نماز پڑھنا اور خطبہ دینا بتصریح خود حضرت انس سے مروی ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ تمام روایتیں لے لی ہیں۔ دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ صحاح میں صرف ایک حصہ مروی ہے اور ان کتب میں پورا واقعہ درج ہے۔ [۱] مسند انس ج ۳ ص ۲۰۲

عمل کرو، میں خدا کے مقابلہ میں تمھارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، خود مجھ سے جو چاہو مانگ لو۔" پھر فرمایا "اے لوگو، تم میں سے جس کسی کو میرے بعد کوئی مصیبت پیش آئے تو اُسے میری موت یاد کر کے دل کو تسکین دے لینا چاہئے۔ کیونکہ میری اُمت میں کسی کو بھی اتنی بڑی مصیبت لاحق نہیں ہو سکتی جتنی میری موت سے لاحق ہوگی"[1]

اللہ اکبر! اس آخری خطبہ سے دین حق کی بُنیادیں کیسی مستحکم کردیں۔ صاف کر دیا کہ دین کی اصل الاصول کتاب اللہ، قرآن ہے۔ جو اسمیں حلال ہو وہی حلال ہے اور جو اسمیں حرام ہو وہی حرام ہے۔ کسی انسان کو حتیٰ کہ خود پیغمبر کو بھی حق نہیں کہ اپنے جی سے حلال و حرام ٹھہرائے۔ اگلی قوموں کی سب سے بڑی گمراہی اور بربادی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہوئی کہ اُنھوں نے کتاب اللہ چھوڑ کر، شریعت مخلوق کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ بادشاہ اور مذہبی پیشوا اپنی رائے اور ہوا و ہوس سے جس بات کو چاہتے تھے حلال کر دیتے تھے اور جسے چاہتے تھے حرام قرار دے دیتے تھے۔

گمراہی کا ایک دوسرا دروازہ عمل سے بے پروائی اور انبیاء و اولیاء کی رشتہ داری پر اعتماد اور گھمنڈ تھا۔ اس بارے میں انسانوں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ نجات و تقدس کو براہ راست عمل صالح کا نتیجہ سمجھنے کے بجائے رشتہ داری وغیرہ غیر متعلق مادی نسبتوں سے وابستہ سمجھا گیا۔ بزرگوں کی اولاد نے عمل کی طرف سے آنکھ بند کر کے خود اپنے تئیں بزرگ سمجھا اور دُنیا نے بھی اُنھیں محض اُن کی خاندانی وجاہت کی بنا پر سر آنکھوں پر رکھا لیکن

---

[1] طبرانی فی الاوسط (خصائص) بخاری (مرض النبی) ابن ہشام، ابن سعد کی متفرق روایتوں سے یہ واقعہ مرتب کیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول نے اپنی زندگی کے آخری دن بھی اس گمراہی کی طرف سے خاموشی اختیار نہیں کی اُسے پُوری طرح کھول دیا اور نہایت تاکید سے اپنے قریب ترین رشتہ داروں حتیٰ کہ لختِ جگر، نورِ نظر "فاطمہ" تک سے صاف کہدیا کہ مجھ سے اور میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، مگر خدا کے ہاں میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آؤں گا۔ وہاں اگر کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہو تو وہ خود تمھارا اپنا عمل ہو! یہ وہ لوگ تھے جو نبی سے اپنی قریبی نسبت رکھنے پر اعتماد کر سکتے تھے۔ پھر اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جنھیں رشتہ داری کا تعلق بھی حاصل نہیں ہو؟ کاش مسلمان آنکھیں کھولیں اور بلا عمل ادعائے اسلام و ایمان کے گھمنڈ کو چھوڑ کر اپنے رسول کی ان وصیتوں پر غور کریں!

(صحابہ کی غلط فہمی)

آج آپ کو رُو بہ صحت دیکھ کر صحابہ بہت خوش تھے اور یقین کرتے تھے کہ بفضل خدا خطرہ دُور ہو گیا اور آپ تندرست ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق بھی یہی سمجھے اور عرض کرنے لگے "اے نبی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ کے فضل و احسان سے آپ ایسی حالت میں ہو گئے ہیں جیسی ہم سب کو پسند ہو۔ آج بنت خارجہ[عہ] کا دن ہو۔ کیا میں اُس کے ہاں چلا جاؤں؟" فرمایا! "ہاں جاؤ[سلہ]" پھر اُسامہ کو آواز دی، پُشت مبارک اُنکے سینہ سے لگا دی اور فرمایا "مجھے اُٹھا دو[سلہ]"

(فاطمہ سینہ سے چمٹ گئیں)

مسجد سے حضرت عائشہ کے حجرہ میں واپس آ گئے اور اُسامہ سے فرمایا "اپنی فوج لیکر خدا

عہ حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی تھیں جو مدینہ سے قریب سُنح نام مقام میں رہتی تھیں سلہ بخاری مرض النبی، ابن ہشام، ابن سعد ج ۲

کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جا"[۱] اسامہ رخصت ہوئے، آپ عائشہ کے سینہ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئے اور حالت خراب ہونے لگی۔ اس مرتبہ مرض کا حملہ بڑا ہی سخت تھا حتیٰ کہ ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور دوسرا سمیٹتے تھے[۲]۔ حضرت فاطمہ سینہ سے چمٹ کر پھوٹ پھوٹ رونے اور بین کرنے لگیں "آہ، میرے باپ کی تکلیف! آہ، میرے باپ کی تکلیف!" اس پر آپ نے فرمایا "آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف بھی باقی نہ رہے گی[۳]۔ تیرے باپ کو اب وہ منزل در پیش ہے جس سے خدا کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں[۴]۔ قیامت کے دن ملاقات ہو گی[۵]۔ بیٹی، رو نہیں، جب میں مر جاؤں تو کہنا "انا للہ وانا الیہ راجعون" کیونکہ اسمیں آدمی کے لئے ہر مصیبت کی تسلی موجود ہے" فاطمہ نے کہا "کیا آپ کی بھی یا رسول اللہ؟" فرمایا "ہاں میری بھی"[۶]

(محمد اپنے رب کی بابت کیا سمجھتا ہے؟)

ساری زندگی تنگ دستی میں بسر ہوئی تھی۔ دنیا کے عیش و آرام سے ہمیشہ بیزاری رہی تھی، مال و دولت جمع کرنے سے نفرت چلی آتی تھی۔ کبھی گھر میں روپیہ پیسہ نہ رکھا تھا لیکن اتفاق سے مرض الموت سے پہلے کچھ دینار آ گئے تھے۔ سب بانٹ دئے تھے۔ صرف چھ سات باقی بچے تھے اور حضرت عائشہ کے حوالہ کر دئے تھے کہ خرچ کر ڈالنا۔ مگر آپ کی تیمارداری میں وہ ایسی مصروف ہوئیں کہ دینار یاد نہ رہے۔ آپ کو اچانک اُن کا خیال آیا۔ عائشہ کہتی ہیں آپ میرے سینہ سے ٹیک لگائے تھے کہ فرمانے لگے "عائشہ اُس سونے کا کیا حشر ہوا؟" میں نے کہا میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا خیرات کر ڈال" پھر میرے سینہ ہی پر بیہوش ہو گئے جب

---

[۱] ابن سعد ۲ ص ۱۳۶ [۲] ابو یعلیٰ فی مسندہ وابن کرتی تاریخہ (کنز) [۳] عقد الفرید جلد ۲ [۴] ابو یعلیٰ فی مسندہ وابن خزیمہ (کنز) [۵] ابن ماجہ، مسند انس [۶] ابن سعد۔

ہوش آیا تو پھر پوچھا "عائشہ! تونے وہ دینار خرچ کر ڈالے ؟" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ ابھی تک نہیں، آپ کی اس حالت نے مجھے بالکل مہلت نہ دی" فرمایا "لے آ" چنانچہ میں لے آئی۔ آپ نے تمام دینار اپنی ہتھیلی پر ایک ایک کر کے چنے اور گنے پھر فرمایا "محمد اپنے رب کی بابت کیا سمجھتا ہو اگر اِن کی موجودگی میں اُس سے جا کر ملتا؟ یہ محمد میں سے کیا باقی چھوڑتے اگر انھیں لیکر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچتا![1]"

(غلاموں کے متعلق وصیت)

بار بار غشی آتی تھی۔ ایک مرتبہ دیر تک بیہوش رہے۔ پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ "اللہ! اللہ! فیما ملکت ایمانکم!" اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، اُن کا جسم کپڑے سے ڈھکو، پیٹ کھانے سے بھرو، اور اُن سے نرم زبان سے بولو[2]"

(سکرات موت)

پیالہ میں پانی بھرا پاس رکھا تھا۔ سر میں سخت درد تھا، بخار بھی بہت تیز تھا۔ بار بار پیالہ میں ہاتھ ڈالتے تھے۔ چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے " لا الٰہ الا اللہ، موت کے کیسے سکرات ہیں[3]؟ الٰہی سکرات موت کے مقابلہ میں میری مدد کر[4]" اور کبھی فرماتے "خدایا تو ہی روح کو کھینچتا ہو، پوری ہڈیوں اور پوروں سے نکالتا ہو، لہٰذا اُس کے نکلنے میں میری مدد کر اور اُس کا نکلنا مجھپر آسان کر دے[5]" اور کبھی فرماتے "جبرئیل! مجھ سے قریب ہو، جبرئیل مجھ سے قریب ہو[6]!"

---

[1] ابن سعد، مسند عائشہ [2] ابن سعد [3] بخاری، [4] ابن ابی شیبہ (کنز)، ابن سعد [5] ابن رجب (المواہب) [6] ابن سعد

(عباس! دَوڑو)

ام سلمہ کہتی ہیں" وفات کے دن آپ بار بار پوچھتے تھے "علی آگیا؟ علی آگیا؟" شاید آپنے انھیں کسی کام پر بھیجا تھا اور واپسی کے منتظر تھے۔ جب وہ آئے تو ہم لوگ اس خیال سے کہ شاید کوئی راز کی بات ہو، حجرہ سے نکلکر باہر بیٹھ گئے۔ میں سب سے زیادہ دروازہ کے قریب تھی۔ میں نے دیکھا علی آپ پر جھکے ہوئے ہیں اور کان میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں[1]

حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپنے مجھے طلب فرمایا اور مجھ سے ٹیک لگا کے باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ آپ کا لُعابِ دہن میرے جسم میں لگ رہا تھا۔ اسی اثنا میں آپ کی حالت خراب ہوگئی۔ میں چلایا "عباس، دَوڑو! میں مَرا!"، عباس آئے اور ہم دونوں نے آپ کو لِٹا دیا[2]"

(نبی پر ہجوم افکار)

اب جو لمحہ گذرتا تھا، آخری منزل قریب آتی جاتی تھی۔ اسوقت آپکی کچھ عجیب حالت تھی۔ بیماری کی تکلیف تھی۔ سکرات کی سختی تھی۔ فلاحِ امت کی فکر تھی۔ جوارِ خداوندی کی طلب تھی۔ ان چند لمحوں میں یہ سب چیزیں جمع تھیں اور سب کی طرف توجہ مبذول ہوتی تھی۔ بار بار فرماتے تھے "یہود و نصاریٰ پر خدا کی مار جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبریں سجدہ گاہ بنالیں ہیں[3]، خوب جان لو خدا کے نزدیک بدترین خلائق وہ ہیں جنھوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہو[4]"، کبھی فرماتے "جزیرۃ العرب میں دو دین رہنے نہ پائیں[5]"، کبھی کہتے "حجاز اور نجران کے یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو[6]"۔ کبھی فرماتے "الصلوٰۃ

---

[1] مسند ام سلمہ [2] ابن سعد [3] ابن سعد [4] مسند ابی عبیدہ [5] ابن ہشام و مسند عائشہ [6] مسند ابی عبیدہ

الصلوٰۃ، وما ملکت ایمانکم" (نماز، نماز، اور اپنے غلاموں کے حقوق!) حضرت ام سلمہ اور حضرت انس کا بیان ہے کہ آپ یہ وصیت برابر کرتے رہے یہاں تک کہ لفظ زبان سے ادا نہیں ہوتے تھے۔ سینہ کے اندر غرغراتے تھے[1]۔ کبھی فرماتے "اللھم الرفیق الاعلیٰ[عہ] مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا" (الٰہی! اُنکے ساتھ جنت! جنپر تونے احسان کیا ہے: انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، انکا ساتھ کیسا اچھا ساتھ ہے!)

(نبی کی آخری ساعت)

حضرت عباس کہتے ہیں "وفات کے وقت میں موجود تھا۔ سکرات موت بہت دراز تھے اور دیر تک رہتے تھے۔ میں نے سُنا آپ آہستہ آہستہ فرما رہے ہیں "مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا" پھر فرمایا "میں تمھیں نماز کی اور غلاموں سے نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں" پھر روح پرواز کر گئی"[2]

(دعا سے منع کر دیا)

حضرت عائشہ کہتی ہیں "آپ میری گود میں تھے اور ہم ازواج نبوی کا دستور تھا کہ آپ جب کبھی بیمار ہوتے تھے تو وہی دعا پڑھ کر آپ پر دَم کیا کرتے تھے جو آپ دوسرے مریضوں پر دَم کرتے تھے۔ دعا یہ تھی: اذہب البأس، رب الناس، اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاءک، شفاء لا یغادر سقما[عہ]، بیماری دُور کر دے، اے لوگوں کے پالنے

عہ "الرفیق" کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں رفاقت وصحبت حاصل ہو۔ یہاں مراد "جنت" ہے جیسا کہ جوہری نے تصریح کی ہے (فتح الباری) عہ بخاری میں ہے کہ وہ دعا "معوذات" تھیں اور حضرت عائشہ وہی دَم کر رہی تھیں (باب مرض النبی) [1] ابن سعد

[illegible]

والے! شفا دے، صرف تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ ذرا بیماری باقی نہ رہے) چنانچہ اُس وقت میں بھی یہی دعا پڑھ رہی تھی۔ آپ کی ہتیلی میں پھونکتی تھی اور زیادہ برکت کے خیال سے سینہ مبارک پر اُسے پھیرتی تھی[۱] ۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ فرمایا "ہاتھ ہٹا لے۔ اس سے مجھے اُس وقت نفع ہوتا تھا جب زندگی میں درازی باقی تھی[۲]"۔ پھر سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا۔ "الرفیق الاعلیٰ! الرفیق الاعلیٰ!"

(طہارت کا اہتمام)

جسمانی طہارت خصوصاً مسواک کا زندگی بھر جو اہتمام تھا، معلوم ہو۔ آخری لمحوں میں بھی مسواک سے غافل نہیں رہے تاکہ اپنے پروردگار کے حضور باوجود طاہر و مُطہّر ہونے کے پاک دہن پہنچیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: (اس روایت کا سلسلہ اوپر والی روایت سے ملاتے ہیں[۳]) اسی اثنا میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حجرے میں داخل ہوئے۔ وہ ہاتھ میں تازہ سبز مسواک لئے دانتوں میں مَل رہے تھے۔ آپ نے مسواک پر ٹکٹکی باندھ دی۔ میں سمجھ گئی کہ آپ اُسے چاہتے ہیں۔ میں نے کہا "کیا آپ یہ مسواک لینگے؟" اشارہ سے جواب دیا "ہاں" میں نے مسواک عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے لے لی، توڑی اور آپکے ہاتھ میں دے دی لیکن ضعف کی وجہ سے اُسے چبا نہ سکے۔ میں نے عرض کی کیا نرم کر دوں؟ اشارہ سے فرمایا "ہاں" میں نے اپنے مُنھ میں لے کر چبائی[ع]۔ جب نرم ہو گئی تو آپکے ہاتھ میں دے دی، آپنے

ع حضرت عائشہ ساری زندگی فخر کرتی رہیں کہ اللہ کی منجملہ بیشمار عنایتوں کے ایک بڑی عنایت مجھ پر یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلعم فوت ہوئے میرے گھر میں، میری باری کے دن میں، اور میری گردن اور (بقیہ صفحہ ٦٦)

[۱] ابن سعد [۲] مسند عائشہ [۳] بخاری (مرض النبیؐ و وفاتہ)

اُسے اتنے اہتمام سے استعمال کرنا شروع کیا کہ میں نے اتنے اہتمام سے آپ کو کبھی مسواک کرتے نہیں دیکھا تھا۔ پاس ہی پانی سے لبریز پیالہ رکھا تھا۔ آپ بار بار اُس میں ہاتھ ڈالتے تھے چہرۂ مبارک تر کرتے تھے اور فرماتے تھے "لاالہ الا اللہ ان للموت سکرات"[۱]

(آنکھیں پھٹ گئیں)

ذرا دیر بعد مسواک اُنگلیوں میں بھاری ہوگئی[۱] - مجھے دینے لگے تو چھوٹ گری[۲] اور میں نے محسوس کیا کہ خود آپ بھی میری گود میں بھاری ہو رہے ہیں - میں آپ کا چہرہ دیکھنے جھکی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آنکھیں پھٹ گئیں ہیں - اُنگلی چھت کی طرف اُٹھی ہوئی ہے اور فرما رہے ہیں:
"فی الرفیق الاعلیٰ، فی الرفیق الاعلیٰ، فی الرفیق اعلیٰ، بل اللھم الحقنی بالرفیق الاعلیٰ من الجنۃ"[۳] میں سینہ مبارک پر[۴] ہاتھ پھیرنے اور تندرستی کے لئے دعا کرنے لگی - جب ذرا افاقہ ہوا تو فرمانے لگے "اسئل اللہ الرفیق الاعلیٰ الاسعد مع جبریل ومیکائیل واسرافیل"[۵] اور فرمایا اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ"[۶]

(گردن جھک گئی)

پھر گردن جھک گئی اور میں سمجھی کہ فوت ہو گئے[۷] اور لگی کہنے "تجھے انتخاب کا اختیار دیا گیا اور قسم ہے اُس کی جس نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا تو نے انتخاب کر لیا!"[۸] میں نے اس لئے کہا کہ خود آپ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کوئی نبی نہیں مرتا جب تک اُسے جنت میں

(بقیہ صفحہ ۶۵) سینہ کے درمیان - اور یہ کہ دنیا وی زندگی کے آخری لمحہ میں ٹھیک موت کے وقت میرا اور آپ کا لعاب یکجا ہوا" (بخاری مرض النبی ووفاتہ) واقعی یہ ایک ایسی سعادت ہے جس پر اُن کا فخر بالکل بجا ہے۔

[۱] مسند عائشہ [۲] بخاری (فضائل مرض النبی) [۳] مسند عائشہ [۴] نسائی وصحیح ابن حبان (کنز) [۵] ابن ابی

اس کا ٹھکانا دکھا کر دنیا میں رہنے یا آخرت قبول کرنے کا اختیار نہ دے دیا جاتا ہو۔ مجھے یہ بات یاد تھی[۱] اسی لئے میں نے یہ لفظ کہے تھے۔

(آواز بھاری ہوگئی)

لیکن چند لمحہ بعد آپ میں پھر ذرا جنبش ہوئی آنکھیں کھول دیں۔ باوجود اس کے کہ اب آواز بھاری ہوگئی تھی[۲] فرمانے لگے "فی الرفیق الاعلیٰ مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا[۳]"

(طائر روح پرواز کر گیا)

اسی حالت میں جبکہ آپ میرے سینہ سے ٹیک لگائے تھے طشت طلب فرمایا اور تھوکنا چاہا[۴] کیا۔ پھر سر مبارک جو میرے شانہ پر رکھا تھا اچانک جھک گیا۔ میں سمجھی میرا سر چھونا چاہتے ہیں۔ فوراً جھکی۔ نظریں نیچی کرکے چہرۂ مبارک دیکھا اور غور سے سنا کہ آپ بہت ہی آہستہ آہستہ فرمارہے ہیں " اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق[۵]"، عین اسی وقت دہن مبارک سے ایک مادہ اچھلکر نکلا اور میرے گلے میں کوڑی کی جگہ پر جاکر ٹھہرا۔ یہ اس قدر سرد تھا کہ میرا تمام بدن لرز اٹھا اور ایک ایسی خوشبو پھیلی جیسی میں نے کبھی پہلے نہ سونگھی تھی۔[۶]

(منہ پیٹنے کھڑی ہوگئیں)

"میں سمجھی آپ بیہوش ہوگئے ہیں۔ چنانچہ منہ پر کپڑا ڈال دیا[۷]۔ حالانکہ اس مرتبہ آپ

---

[۱] ابن سعد [۲] ابن سعد [۳] بخاری مرض النبی [۴] مسلم [۵] ترمذی شمائل [۶] بخاری مرض النبی۔ [۷] مسند عائشہ [۸] ابن سعد۔

فوت ہو چکے تھے۔ مگر مجھے خبر تک نہ ہوئی[۱]۔ میں اپنی بیوقوفی اور کم سنی کی وجہ سے ایسی تھی کہ آپ کا سر تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ ملکر رونے اور منہ پیٹنے کھڑی ہوگئی[۲]۔ اب مجھے اپنی نادانی پر تعجب ہو کہ آپ کا سر اپنے سے کیوں جدا کیا؟ غسل تک کیوں نہ لئے بیٹھی رہی؟[۳]"

اس طرح اللہ کا آخری رسول دوشنبہ کے دن[۵] ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو زوال کے[۶] بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوا۔ وفات کے وقت آپ کھردی اونی چادر اور موٹی تہ بند باندھے تھے۔ ابو بردہ راوی ہیں کہ حضرت عائشہ نے یہ دونوں کپڑے مجھے نکالکر دکھائے اور کہا "نبی صلعم انہی میں فوت ہوئے تھے[۷]"

(عبرت)

اللہ اللہ! کیا استقلال تھا۔ نہ مرض کی سختیوں اور موت کی ہولناکیوں سے خائف ہوئے نہ کوئی حرف شکایت زبان پر آیا! کیا محبت الٰہی تھی کہ دوا کیا دعا سے بھی منع کر دیا کہ اب جوار حبیب میں جلد پہنچ جانے دو۔ درمیان میں کوئی روک بھی پیدا نہ کرو! کیا عبدیت تھی کہ باوجود معصوم و معاف ہونے کے پروردگار کے حضور گرے پڑتے تھے اور گڑگڑاتے

عـــ۵ محدثین و اصحاب سیر میں آپکی تاریخ وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہو۔ ہم اس بحث میں پڑکر کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے۔ ہم نے وہ تاریخ درج کی ہو جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہو۔

عـــ۶ ایک روایت میں ہو کہ ضحیٰ کے وقت انتقال ہوا۔ ہجرت میں ٹھیک اسی وقت آپ مدینہ میں داخل ہوئے تھے (اثبت بالسنہ)۔ سـ۱ـہ یہ پورا واقعہ زیادہ تر بخاری (کتاب الوصایا) اور ابن ہشام سے لیا گیا ہو سـ۲ـہ ابن ہشام سـ۳ـہ ابن سعد سـ۷ـہ اثبت بالسنہ۔

جاتے تھے کہ "اللھم اغفرلی!" خدایا میرے گناہ معاف کر دے۔ آہ، یہ حال اللہ کے رسول کا تھا کہ نزع کی حالت میں بھی گناہوں سے لرزہ براندام اور مغفرت کے لئے بیقرار تھے اور ایک ہم ہیں کہ گناہوں پر جری اور استغفار سے قطعی غافل ہیں! ایک طرف سے آگ لگاتے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے گھر کو بے حفاظت چھوڑے ہوئے ہیں پھر سلامتی کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

(وفات کے وقت جسمانی حالت)

وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔ نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزرے تھے اور دس برس مدینہ[1] میں۔ عمر اگرچہ پختہ تھی مگر دماغی و جسمانی صحت مجموعی طور پر قابل اطمینان تھی۔ پیری اور اس کی کمزوریاں مغلوب نہ کر سکی تھیں۔ حضرت انس سے پوچھا گیا "وفات کے وقت آپ کی کیا حالت تھی؟" کہا "نہایت تر و تازہ، خوبصورت، وجیہ، تندرست سر اور ریش مبارک میں سفیدی تک نہیں دوڑی تھی۔ داڑھی کے آگے صرف تیس بال سفید ہوئے تھے"[2]

(دہیم توکل)

وفات کے وقت آپ کی حیثیت محض ایک دینی پیشوا کی نہ تھی بلکہ دنیاوی بول چال میں آپ پورے عرب کے بالکل خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ تھے۔ یمن، حجاز، حضرموت، نجد، عسیر، تہامہ، مسقط، عمان، تطیف وغیرہ تمام علاقوں پر سر بلند علم محمدی بے روک ٹوک لہرا رہا تھا۔ تم خیال کرتے ہوگے اس شہنشاہ عرب نے مرتے وقت ضرور ایک بڑا خزانہ

---

[1] بخاری (مرض النبی و باب الہجرۃ) [2] مسند انس۔

چھوڑا ہوگا، حدم حشم ہونگے، اونٹ گھوڑے ہونگے، توشے خانے ہونگے، جواہرات سے بھرے صندوق ہونگے، سونے چاندی سے لبریز خانے ہونگے ... آہ! انہیں! ہاں اس طرح کی کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اُس کے شاہی خزانہ میں نہ کوئی دینار تھا نہ درہم، اُس کے اصطبل میں نہ کوئی اونٹ تھا نہ بکری نہ گھوڑا، اُس کے جیش خدمتوں میں نہ کوئی غلام تھا نہ کنیز! اس اللہ والے سلطان کے پاس کوئی چیز بھی موجود نہ تھی مگر سواری کا ایک خچر تھا اور روزمرّہ استعمال کے چند آہنی ہتیار۔ اور ان میں بھی زرہ چند سیر جَو پر ایک یہودی کے پاس گروی پڑی تھی۔ یہ قرض اُسنے اپنے گھر والوں کی شکم پُری کے لئے لیا تھا:

شہنشاہ دو زعالم کا مگر نفرت تجمّل سے
سریر جاہ پر فخر اُس کو دیہیم توکل سے
حریم ناز میں تکیہ خدا پر اُسکی مسندکا!

(دو اہم مسئلے اور اسوۂ نبوی)

ہاں چند بیگہ زمین بھی تھی مگر نہ تو زندگی میں اُسنے کبھی اُسے اپنا سمجھا اور نہ مرتے وقت اپنے ورثا میں تقسیم ہونے کے لئے چھوڑ گیا۔ زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے لئے وقف تھی اور مرتے وقت بھی اُسے مسافروں پر صدقہ کر گیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے وارثوں کو یہ اعلان کر کے صاف لفظوں میں محروم کر گیا کہ "جس گروہ سے ہم ہیں (یعنی انبیاء کے گروہ سے) اُس کے ہاں وراثت نہیں ہوتی"[۱]

پچھلے صفحوں میں پڑھ چکے ہو کہ چند دینار جو اتفاقیہ گھر میں رہ گئے تھے، اُنھیں کس

---

[۱] پوری تفصیل ابن سعد، مسند عائشہ اور بخاری (مرض النبی و وفاتہ) سے لی گئی ہے۔

نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اُن کی موجودگی اپنے لئے کس طرح موجب ہلاکت قرار دی؟ آپکی زندگی اور مرض الموت کے یہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ اللہ کے اس آخری پیغمبر اور سب سے زیادہ کامل ہدایت لانے والے رسول نے، موجودہ دُنیا کے دو سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلوں: سرمایہ داری اور غیر منقولہ جائداد کی شخصی ملکیت و وراثت میں کیا اُسوۂ و نمونہ چھوڑا ہے؟ بلاشبہ آپ نے ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں ٹھہرائی۔ کیونکہ عقل انسانی ہنوز عہد طفولیت میں تھی لیکن اپنی ساری عمر عسرت و فلاکت میں گزار کر اور اپنی برائے نام ملکیت غیر موروثی قرار دیکر درحقیقت آپ نے ان دونوں اہم بالشان مسئلوں: سرمایہ داری اور شخصی ملکیت کے حل کے لئے بہترین روشنی دُنیا کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اس بارے میں تقریبًا وہی طریقہ اختیار کیا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال میں برتا تھا کہ وقتی مصلحتوں کی بنا پر نفس غلامی تو ممنوع قرار نہیں دی لیکن اُسے ایسی پابندیوں سے جکڑ دیا کہ کم سے کم بلکہ موقوف ہو جائے۔

(اہل بیت کا دستور)

آپ کی یہی تنگ دستی تھی جس کی وجہ سے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے وفات کے بعد اپنا دستور بنا لیا تھا کہ ہر سال یوم النحر کے دن منٰی میں منادی کراتے تھے، "جس کسی کا رسول اللہ کے ذمہ کوئی وعدہ یا قرضہ ہو، میرے پاس آئے" چنانچہ جو کوئی بھی آجاتا تھا، سچا ہو یا جھوٹا، اُس کا مطالبہ ضرور پورا کر دیتے تھے، آپکے بعد حضرت حسن اور انکے بعد حضرت حسین (علیہما السلام) کا بھی یہی دستور رہا۔ ان کی شہادت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا[1]

---

[1] ابن سعد

امت کو آخری وصیت

مسلمانوں کے لئے یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ اُن کے ہادی نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں اُنھیں کیا وصیتیں فرمائی تھیں؟ ظاہر ہے دائمی جدائی کے وقت زیادہ سے زیادہ اہم بات کہی جاتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کرتے وقت اپنی امت سے کیا کہا اور کن لفظوں پر قیامت تک کے لئے رُخصت ہوئے؟ تمام روایتیں یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف پانچ باتوں کی وصیت کی تھی: صلوٰۃ کا قیام زکوٰۃ کی ادائیگی۔ تعظیم قبور کی ممانعت۔ غلاموں سے حسن سلوک۔ جزیرۃ العرب سے اہل کتاب کا اخراج۔

ذیل میں چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) عائشہ: آخر ما عہد النبی ص ان قال "لا یترک بجزیرۃ العرب دینان"[۱] (نبی صلعم نے سب سے آخری وصیت یہ کی کہ "جزیرۃ العرب میں دو دین نہ رہنے پائیں")

(۲) علی بن ابی طالب: کان رسول اللہ ص یوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وما ملکت ایمانکم حتی فاضت نفسہ[۲] (رسول خدا صلعم برابر صلوٰۃ، زکوٰۃ اور غلاموں کی بابت وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی)

(۳) عباس بن عبدالمطلب: کان رسول اللہ ص یقول "اوصیکم بالصلوٰۃ، اوصیکم بما ملکت ایمانکم" لم تزل یفنی عندھا[۳] (رسول اللہ صلعم کہتے تھے "میں تمھیں صلوٰۃ کی وصیت کرتا ہوں اور غلاموں سے نیک برتاؤ کی" اسی پر وفات ہو گئی)

(۴) ام سلمہ: کان عامۃ وصیۃ رسول اللہ ص عند موتہ "الصلوٰۃ، الصلوٰۃ،

---

[۱] ابن ہشام و مسند عائشہ [۲] ابن سعد [۳] ابن عساکر فی تاریخہ۔

وماملکت ایمانکم" حتی جعل یلجلجہا فی صدرہ وما یفیض بہا لسانہ[1] (رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت عام وصیت یہ تھی کہ "نماز ! نماز ! اور تمھارے غلام" حتی کہ سینے میں یہ الفاظ غرغرانے لگے۔ زبان سے پوری طرح ادا نہیں ہوتے تھے)

(۵) ابوعبیدۃ بن الجراح : آخر ما تکلم بہ صلعم "اخرجوا یہود اہل الحجاز واہل نجران من جزیرۃ العرب، واعلموا ان شرار الناس الذین اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد[2]" (رسول اللہ نے آخری لفظ یہ کہے "حجاز کے یہودیوں کو اور نجران کے رہنے والوں (یہ عیسائی تھے) کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ خوب جان لو کہ بدترین لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے)

(۶) عمر بن عبدالعزیز : آخر ما تکلم بہ صلعم ان قال "قاتل اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب[3]" (یہود و نصاریٰ پر خدا کی مار کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبریں سجدہ گاہ ٹھہرالی ہیں۔ جزیرۃ العرب میں دو دین نہ رہنے پائیں)

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ آپ نے آخری وقت صرف صلوۃ، زکوۃ، قبور، غلاموں، اور اہل کتاب کے باب میں وصیت فرمائی اور ان سے زیادہ اہم معاملات بالکل چھوڑ دیئے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ تھوڑے غور و تدبر سے واضح ہوجائے گا کہ آپ کی یہ آخری وصیتیں معمولی ہونے کے بجائے غائت درجہ اہم، ضروری اور جامع ہیں۔ ان پانچ لفظوں کے اندر جملہ مہمات دین و دنیا جمع ہوگئے ہیں۔

---

[1] مسند ام سلمہ [2] مسند ابی عبیدہ [3] ابن سعد۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصلی ستون چار ہیں: ایمان، توحید، مساوات، مرکزیت۔ انہی پر استوار ہونے سے افراد کو سعادت و طمانیت اور اقوام کو دوام و عروج حاصل ہوتا ہے۔ رسول خدا صلعم نے ان گنتی کے چند لفظوں میں وہ ذرائع و وسائل بیان فرما دیے جو لازمی طور پر ان نتائج تک پہنچاتے ہیں: صلوٰۃ، ایمان کی علامت، ایمان کا نتیجہ، ایمان کا ذریعہ، جملہ روحانی مسرات و برکات کا وسیلہ ہے۔ تعظیم قبور، توحید کی بیخ کن اور شرک کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ بلکہ دنیا میں بت پرستی کا آغاز ہی اسی سے ہوا جیسا کہ جرأت حضرت عبداللہ بن عباس نے تصریح کی ہے۔ تمام بنی نوع انسان حتیٰ کہ غلاموں تک سے حسن سلوک، باہمی مساوات، رواداری اور حسن معاشرت کی آخری حد ہے۔ اہل کتاب کو جزیرۃ العرب سے نکالنا اس لئے ضروری قرار دیا کہ یہ خطہ خالص اسلامی ہو جائے اور امت کی دینی، اجتماعی، سیاسی زندگی کا مرکز بن سکے مشرکین کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اول تو اسلام انھیں مستقل قوم تسلیم نہیں کرتا، پھر وفات کے وقت وہ عرب سے تقریباً ناپید ہو چکے تھے۔ زکوٰۃ پر قومی بیت المال کی بنیاد ہو کر جس کے بغیر قوم کی اجتماعی زندگی قائم نہیں ہو سکتی۔

اس مختصر تفصیل سے اب یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کی آخری وصیت کس درجہ اہم اور امت کے لئے کیسی پرجوش دعوت عمل ہے۔ موجودہ مسلمان ایک لمحہ کے لئے غور کریں کہ ان وصیتوں پر اُن کا عمل کہاں تک ہے؟

وصال کے بعد

رسول اللہ صلعم کا انتقال کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی موت تھی جو

خدا کا آخری پیغمبر، حبیب، برگزیدہ اور سب سے افضل انسان تھا۔ اُس کے پیروؤں کی حالت یہ تھی کہ اُس کے نام پر قربان ہوتے تھے۔ اُس کی خوشنودی کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ اُس کے کترے ہوئے بال تک بانٹ لیتے تھے۔ اُس کے وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ ایک ایک بوند تبرک سمجھی جاتی اور آنکھوں سے لگائی جاتی تھی۔ اُس کا پسینہ عطر سے زیادہ نفیس سمجھا جاتا اور خوشبوئیں بلایا جاتا تھا۔ ہر بڑے آدمی کی موت پر تہلکہ مچ جاتا ہے۔ پھر رسول کی موت پر جو کچھ بھی ہوتا، کم تھا۔

اگرچہ اس برگزیدہ انسان نے اپنے دورانِ مرض میں برابر اس ہونے والے حادثہ سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ مگر فرطِ جوش محبت میں دل اس کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ پیش آیا تو صحابہ میں ایک سخت دماغی انتشار اور عدم توازن پیدا ہو گیا۔

(حضرت فاطمہ کا بین)

حضرت عائشہ کی زبانی اوپر سن چکے ہو کہ اگرچہ اپنی کم سنی کی وجہ سے پوری طرح سمجھ نہ سکیں کہ طائرِ روح پرواز کر چکا ہو تاہم، باوجود حد درجہ متبع سنت ہونے کے عورتوں کے ساتھ رونے اور منہ پیٹنے کھڑی ہو گئیں۔ حضرت فاطمہ جن پر قدرتاً حادثہ کا بہت زیادہ اثر تھا، روتی تھیں اور بین کرتی جاتی تھیں: یا ابتاہ! اجاب ربًا دعاہ، یا ابتاہ! من جنت الفردوس ماواہ، یا ابتاہ! الی جبرئیل ننعاہ[1] وا ابتاہ! ربہ کیرمہ اذا

---

[1] بخاری (مرض النبی ووفاتہ)

دناہ، الرب والرسل یسلم علیہ حین تلقاہ[ع] یا ابتاہ! من ربہ ما ادناہ!![ع]

(حضرت اسامہ کا جھنڈا)

ٹھیک وصال کے وقت مدینہ کے باہر حضرت اسامہ بن زید اپنی فوج کو جنگی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دے رہے تھے۔ اچانک اُن کی والدہ اُم ایمن کا قاصد پہونچا "جلدی چلو ال حضرت نزع کی حالت میں ہیں!" اب کہاں کی فوج؟ کہاں کی روانگی؟ فوراً اسامہ عمر ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہم) مدینہ کی طرف دوڑے۔ اُنکے پیچھے پیچھے پُوری فوج بھی واپس ہوئی۔ بُریدہ بن الحصیب، اسامہ کا جھنڈا لپیٹے مدینہ میں داخل ہوئے اور حجرۂ نبوی کے دروازہ پر اُسے گاڑ دیا۔[ع]

(حضرت عمر کی غلط فہمی)

پھر حضرت عمر اور مُغیرہ ابن شعبہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پردہ ڈال لیا اور اندر آنے کی اجازت دیدی۔ حضرت عمر نے چادر ہٹا کر آپ کا چہرہ دیکھا اور کہنے لگے "آہ! رسول اللہ پر کیسی سخت غشی طاری ہوا!" پھر دونو اُٹھے۔ دروازہ کے قریب پہنچکر مغیرہ نے کہا "سنو، رسول اللہ صلعم کا بلا شک انتقال ہوگیا ہے" حضرت عمر بگڑ گئے اور کہنے لگے "جھوٹا! درحقیقت تجھ میں فتنہ اپنا کام کر رہا ہے۔ رسول اللہ اُسوقت تک ہرگز نہیں مرینگے جب تک خدا منافقوں کو فنا نہ کرڈالے"[ع]

[ع] ہائے! باپ جنہے پروردگار کی دعوت کو لبیک کہا، ہائے باپ جنکا ٹھکانہ جنت فردوس میں ہے، ہائے باپ! جس کی موت کی خبر ہم جبریل کو سناتے ہیں، وائے باپ! اُس کا پروردگار اُسے قریب کرے جب وہ اُس کے قریب پہنچے۔ ملاقات کے وقت خدا اور پیغمبر اُسے سلام کریں۔ ہائے باپ! اپنے رب سے وہ کتنا نزدیک ہے!

[ع] منتخب کنز العمال [illegible]

(منافقوں کی خوشی صحابہ کی بےچینی)

[1] باہر لوگوں نے یہ خبر سنی تو ایک طرف منافقوں نے خوشی ظاہر کرنا اور جرأت سے سر اُٹھانا شروع کیا۔ دوسری طرف مسلمانوں میں سخت بےچینی پیدا ہوئی۔ ہر طرف سے دوڑ کر حجرۂ نبوی پر جمع ہوگئے اور رسول اللہ کو دیکھنے لگے۔ سب بدحواسی سے چلا رہے تھے "رسول اللہ کیسے مر سکتے ہیں جبکہ ہم پر شہید ہیں اور ہم ساری دنیا پر شہید ہیں، اور جبکہ ہم اب تک سب پر غالب نہیں آئے ہیں؟ نہیں واللہ نہیں، آپ ہرگز مرے نہیں، بلکہ اُسی طرح آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ بن مریم اُٹھائے گئے تھے اور عنقریب نزول فرمائینگے" یہی نہیں بلکہ وہ دھمکانے لگے "خبردار! کوئی آپ کی موت کا لفظ زبان پر نہ لائے" نیز حجرے کے اندر اور دروازہ پر چلا چلا کر کہنے لگے "رسول اللہ دفن نہ کئے جائیں کیونکہ فوت نہیں ہوئے ہیں!"[2]

لوگوں کے اس اختلاف نے حیتِ نبوت کی عورتوں میں بھی شک پیدا کر دیا کہ شاید آپ زندہ ہی ہوں۔ لیکن اُن کا شک جلد دُور ہوگیا۔ اسماء بنت عمیس نے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور صاف کہہ دیا "آپ فوت ہو چکے ہیں!"[3]

(حضرت عمر کا جوش)

مگر اس پر بھی لوگ ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے۔ سب سے زیادہ غلو حضرت عمر کو تھا۔ وہ برابر قسمیں کھائے جاتے تھے "بخدا رسول اللہ فوت نہیں ہوئے ہیں!" یہی نہیں بلکہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر خطبہ دینے کھڑے ہوگئے "جو کوئی بھی منہ سے نکالے گا کہ

---

[1] ابن ابی شیبہ (المواہب) [2] ابن سعد [3] بیہقی و ابونعیم (خصائص)

رسول اللہ انتقال کر گئے ہیں، میں اُسے اپنی اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا[1]۔ بہت سے منافق بک رہے ہیں کہ رسول اللہ مر گئے۔ حالانکہ آپ مرے نہیں ہیں بلکہ اپنے ربّا کے پاس اُسی طرح گئے ہیں جس طرح موسیٰ بن عمران گئے تھے اور ۴۰ دن اپنی قوم سے غائب رہے تھے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ موسیٰ مر گئے، کبھی واپس نہیں ہونگے۔ مگر وہ اچانک لوٹ آئے۔ واللہ رسول اللہ بھی موسیٰ کی طرح ضرور لوٹ آئیں گے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ مر گئے ہیں[2]" حضرت عمرؓ کو اس قدر جوش تھا کہ یہ کہتے ہوئے اُنکے مُنہ سے کف اُڑتا تھا[3]۔

(نابینا کی بینائی)

مسجد میں صحابہ کا ہجوم تھا، گریہ و بکا تھا، جوش و خروش تھا۔ کوئی کسی کی سنتا نہ تھا۔ حالانکہ نابینا عمرو بن ام مکتوم مسجد کے آخر میں کھڑے پڑھ رہے تھے "وما محمد الا رسول، قد خلت من قبلہ الرسل، أفان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین[4]" مگر ان کی جانب کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا۔

(حضرت عباس کی تقریر)

اسی اثنا میں حضرت عباسؓ برآمد ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے "کیا تم میں

---

[4] محمد تو محض ایک پیامبر ہو۔ اس سے پہلے سب رسول مر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ مر جائے گا یا قتل کر ڈالا جائے گا تو تم پچھلے پیروں لوٹ جاؤ گے؟ حالانکہ جو کوئی لوٹ جائے گا وہ خدا کو ذرا بھی نقصان پہنچا سکے گا۔ لیکن خدا شکر گزاروں کو عنقریب بدلہ دے گا۔ [1] کنز العمال و ترمذی بمعناہ۔ [2] ابن ہشام [3]

سے کسی کے پاس نبی صلعم کی طرف سے آپ کی وفات کے بارے میں کوئی عہد ہو؟ اگر کسی کے پاس کوئی عہد ہو تو ہمیں سُنا دے" سبنے بیک آواز کہا "نہیں" پھر انھوں نے حضرت عمر کو خاص طور پر مخاطب کیا "اے عمر! کیا تمھارے پاس کوئی خاص علم ہے؟" انھوں نے بھی انکار کیا۔ اسپر حضرت عباس نے پکار کر کہا "لوگو! گواہ رہو، کوئی آدمی بھی اقرار نہیں کرتا کہ اُس کے پاس نبی صلعم کی طرف سے آپ کی وفات کے بارے میں کوئی بھی عہد موجود ہو۔ اب رسول اللہ کی وفات کے بعد اگر کوئی اس طرح کا عہد بیان کرے گا تو وہ اوّل درجے کا جھوٹا ہوگا۔ قسم ہے اُس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، رسول اللہ نے موت چکھ لی" پھر کہا "لوگو! رسول اللہ کا جسم بھی اُسی طرح بگڑ جائے گا جس طرح تمام آدمیوں کا بگڑ جاتا ہو۔ رسول اللہ صلعم بلاشک وفات پا چکے۔ لہٰذا اپنے ساتھی کو دفن کر دو کیا تمھیں تو خدا ایک موت دےگا اور اپنے رسول پر دو موتیں نازل کرے گا؟ اللہ کی نظر میں اپنے رسول کی عزت اس سے کہیں زیادہ ہو۔ اور اگر وہی بات ہو جو تم کہتے ہو تو یہ خدا کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں کہ اگر وہ چاہے گا تو قبر پر سے مٹی ہٹا کر آپ کو باہر نکال کھڑا کرے گا۔ رسول اللہ نے مرنے سے پہلے حق کی شاہراہ کشادہ، ہموار اور روشن کردی ہو۔ حلال کو حلال کیا ہو۔ حرام کو حرام بتایا ہو۔ نکاح کیا ہو۔ طلاق دی ہو جنگ کی ہو۔ صلح کی ہو۔ کوئی گلہ بان بھی جو اپنی ریوڑ پہاڑوں پہاڑوں لئے پھرتا ہو، اپنی لاٹھی سے اُس کے لئے پتے جھاڑتا ہو، اپنے ہاتھوں سے اُس کے حوض بند کرتا ہے باوجود اس تمام محنت کے اُتنا نہیں تھکتا جتنا رسول اللہ صلعم تم میں تھکتے اور ہلکان ہوتے تھے"[۲]

---

[۱] ابن سعد [۲] ابن سعد وفی المسند معناہ

ابوبکر صدیق کی آمد

ادہر یہ ہو رہا تھا، اُدہر حضرت ابوبکر اِس حادثہ جانکاہ سے بیخبر سُنح میں اپنی بیوی "بنت خارجہ" کے گھر مطمئن بیٹھے تھے۔ رسول اللہ کو صبح اچھا بھلا چھوڑ گئے تھے اور دل میں کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اچانک لوگوں کو کانا پھوسی کرتے سُنا۔ اُن کا ماتھا ٹھنکا اور غلام کو تحقیقات کا حکم دیا۔ اُسنے آکر جواب دیا لوگ کہتے ہیں "محمد مرگئے!" یہ سنتے ہی آپ یہ کہتے ہوئے گھبراکر اُٹھ کھڑے ہوئے "آہ! میری کیا خرابی ہوگی؟[1]" فوراً گھوڑا مدینہ کی طرف دَوڑا دیا۔

سالم بن عبداللہ الاشجعی کی روایت ہو کہ جب مسجد میں یہ تمام ہنگامہ برپا تھا تو بعض لوگوں نے مجھ سے کہا "سالم جا اور رسول اللہ کے دوست (ابوبکر) کو بلا لا" میں مسجد سے نکلا ہی تھا کہ ابوبکر نظر آئے۔ دیکھتے ہی میری ہچکی بندھ گئی۔ کہنے لگے "سالم! کیا واقعی رسول اللہ فوت ہوگئے؟" میں نے کہا "کیسے کہوں؟ یہ عمر کھڑے کہہ رہے ہیں جو کوئی کہے گا کہ رسول اللہ مرگئے ہیں میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا![2]"

حضرت ابوبکر مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے فرط گریہ سے خاموش تھے۔ آہیں دل سے اُٹھتی تھیں اور سینہ ہی میں رہ جاتی تھیں[3]۔ کسی سے گفتگو نہیں کی۔ سیدھے حجرے کی طرف بڑھے اور حسب دستور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ اندر سے آواز آئی "آج کے دن اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی!" کہنے لگے "سچ ہی[4]" پھر اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ کی چارپائی کی طرف بڑھے۔

---

[1] ابن خسرو دکنز ا [2] المواہب و ترمذی اصناہ [3] المواہب [4] ابن سعد۔

حبیب کی لاش پر

آپ پر حبرے کی چادر پڑی تھی۔ رُخِ انور پر سے کپڑا ہٹایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور حسرت سے کہنے لگے "رسول اللہ فوت ہو گئے"[۱] پھر اوپر جھکے۔ آپکی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر اپنا منہ رکھا، آپکی کلائیوں پر اپنے ہاتھ ٹیکے[۲] روتے تھے اور کہتے تھے "وانبیاہ! واصفیاہ! واخلیلاہ!"[ع][۳] پھر سر کی طرف مڑے اور کہا "وانبیاہ!" پھر منہ جھکایا اور چہرۂ مبارک کا بوسہ لیا۔ پھر سر اُٹھایا اور کہا "واخلیلاہ!" پھر منہ جھکایا اور پیشانی کا بوسہ لیا[۴]۔ پھر سر اُٹھایا اور کہا "واصفیاہ!" پھر منہ جھکایا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر کہا "میرے ماں باپ تجھ پر قربان! تو جیتے اور موئے ہر حال میں طیب طاہر ہے[۵] قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خدا تجھ پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں کرے گا، جو موت تجھ پر لکھی تھی، وہ تو مر چکا[۶]۔ تیری موت سے وہ چیز منقطع ہو گئی جو کسی نبی کی موت سے بھی منقطع نہیں ہوئی تھی۔ تو ہر طرح کی صفت سے بالا ہے۔ گریہ و بکا سے ارفع ہے اس قدر خاص ہوا کہ ہر مصیبت میں تسلی دینے والا بن گیا۔ اس قدر عام ہوا کہ ہم سب تجھ میں برابر ہو گئے۔ اگر تیری موت خود تیری اپنی پسند سے نہ ہوتی تو ہم تیرے رنج میں جانیں قربان کر دیتے۔ اگر تو نے رونے سے منع نہ کر دیا ہوتا تو ہم تجھ پر آنسوؤں سے اپنی آنکھیں خشک کر لیتے۔ لیکن جس چیز کو ہم اپنے سے کسی طرح بھی دُور نہیں کر سکتے وہ رنج

ع واے نبی! واے صفی! واے خلیل!

۱ ابن سعد ۲ ابن ابی شیبہ (فتح الباری) ۳ ترمذی (شمائل) ۴ ابن سعد مسند عائشہ۔

۵ ابن سعد المروزی (کنز) ۶ بخاری (مرض النبی ووفاتہ)

اور تیری یاد وہی جو ہمیشہ ہمارے ساتھ باقی ہے۔ کبھی جدا نہیں ہونے کی۔ خدایا! یہ ہمارا پیغام اپنے نبی کو پہنچا دے۔ اے محمدؐ! ہمارا ذکر اپنے رب کے ہاں کیجو، ہم تجھے برابر یاد رہیں۔ اگر تو نے اپنے پیچھے یہ سکینت نہ چھوڑی ہوتی تو کوئی بھی اس غم سے نہ بچتا جو تو نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ اے خدا اپنے نبی کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے اور ہمارے معاملہ میں اس کا خیال رکھ[1]

ابوبکر صدیقؓ کی یادگار تقریر

پھر کپڑا منہ پر ڈال دیا اور باہر مسجد میں گئے۔ حضرت عمرؓ بدستور بول رہے تھے۔ انھیں مخاطب کرکے کہا "او قسمیں کھانے والے ٹھہر، اپنی جگہ بیٹھ جا"، مگر وہ اس قدر جوش میں بھرے تھے کہ بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو پھاندتے آگے بڑھے اور منبر تک پہنچ گئے۔ حاضرین نے انھیں دیکھا تو حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت آپ نے یہ یادگار خطبہ دیا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کو فتحیاب کیا، تن تنہا تمام جتھوں پر غالب آگیا۔ پس تمام ستائش اسی ایک خدا کے لئے ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا ایک بندہ، پیغمبر اور نبیوں کا خاتمہ ہے، اور گواہی دیتا ہوں کہ کتاب ایسی ہی ہے جیسی نازل ہوئی تھی۔ دین ویسا ہی ہے جیسا مقرر کیا گیا تھا۔ حدیث ویسی ہی ہے جیسی بیان کی گئی تھی۔ اور بات وہی ہے جو کہی گئی تھی۔ اللہ ہی روشن حق ہے۔ الٰہی! محمدؐ اپنے بندے، رسول، نبی، حبیب، برگزیدہ اور منتخب پر افضل ترین درود بھیج۔ الٰہی! اپنی صلوٰۃ، اپنا عفو، اپنی رحمت، اپنی برکت

---

[1] ابن ابی الدنیا فی کتاب العزاء باسناد ضعیف (احیاء العلوم ج ۴ ص ۵۲ کنز العمال۔

رسولوں کے سردار، نبیوں کے خاتم، پرہیزگاروں کے امام، محمد، کے شامل حال کر جو نیکی کا رہنما، بھلائی کا رہبر، رحمت کا قاصد ہے۔ اُس کی قربت نزدیک کر، اُس کی برہان عظیم کر، اُس کے مقام کو عزت دے، اور اُسے اُس مقام محمود میں اُٹھا جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کرینگے۔ اُس کے مقام محمود سے قیامت کے دن ہمیں نفع پہونچا۔ دنیا و آخرت میں ہمارے اندر اُس کا جانشین بن اور اُسے جنت میں درجہ و وسیلہ تک پہونچا۔ اے خدا، محمد پر اور اُس کی آل پر تیری صلوۃ ہو، محمد پر اور اُس کی آل پر تیری برکت ہو، اُسی طرح جس طرح تیری صلوۃ و برکت ہوئی ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر۔ تو ہی ستائش اور بزرگی والا ہے۔

"اے لوگو تم میں سے جو کوئی پوجا کرتا تھا محمد کی، سو اُس کا دیوتا، محمد تو مر گیا! لیکن جو کوئی عبادت کرتا تھا اللہ کی، سو اللہ زندہ ہے، کبھی مرنے والا نہیں! رب العزت نے محمد سے فرمایا تھا "انک میت وانھم میتون"[عـه]، اور فرمایا "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، أفأن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم؟ ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا، وسیجزی الله الشاکرین" (یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر نے چلا کر کہا.... "کیا یہ آیت قرآن میں موجود ہے؟" مگر کوئی جواب دیئے بغیر حضرت ابوبکر آگے بڑھے:) اور فرمایا "کل من علیھا فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام"[عـه] پھر کہا "اللہ تعالی نے اپنے نبی کو اُس کی وفات کی خبر اُس وقت سے دے

عـه تو مر جانے والا ہے اور یہ سب بھی مر جانے والے ہیں۔ عـه عالم کائنات میں جو کچھ بھی ہے فنا ہو جانے والا ہے۔ صرف ایک تیرے بزرگ و برتر پروردگار کی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔

دی تھی جب وہ تم میں موجود تھا اور خود تمھیں بھی تمھاری موت کی اطلاع پہنچادی ہے، پس موت اٹل ہے۔ سب مرجائینگے۔ بجز ایک خدا کے کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالےٰ نے محمد (صلعم) کو ایک خاص عمر تک زندہ رکھا یہاں تک کہ اُسنے دینِ الٰہی قائم کردیا، امر خداوندی برملا کردیا۔ رسالت پہنچادی اور راہِ خدا میں برابر جہاد کرتا رہا۔ پھر خدانے اُسے وفات دے دی اور تمھیں سیدھے راستہ پر چھوڑ دیا۔ پس اب جو بھی ہلاک ہونے والا ہلاک ہوگا وہ واضح دلیل اور بدبختی کے بعد ہلاک ہوگا۔ اور خدا اُس کے معاملہ میں تمھارے سامنے آیا ہے لہذا اُسے دہشت کی وجہ سے چھوڑ نہ دو، اُسنے اپنی نبی کے لئے تمھارے پاس کی چیز پر اُس چیز کو ترجیح دی ہے جو خود اُس کے پاس ہے۔ اُسنے اُسے اپنے ثواب کی طرف اُٹھالیا ہے، اور تم میں اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی ہے۔ جو کوئی ان دونوں کو لے گا راہِ راست پر رہے گا اور جو اِن میں تفریق کرے گا بھٹک جائے گا۔ اے ایمان والو، عدل کے قائم کرنے والے ہو۔ شیطان تمھارے نبی کی موت کی وجہ سے تمھیں مشغول نہ کرلے۔ تمھارے دین کی طرف سے تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دے، شیطان پر نیکی کے ذریعہ حملہ کرنے میں جلدی کرو تاکہ شکست کھاجائے۔ اُسے ڈھیل نہ دو ورنہ تم تک پہنچ جائے گا اور تمھیں فتنہ میں ڈال دے گا۔ اے لوگو، اللہ سے ڈرو، اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو۔ اپنے رب پر توکل کرو، کیونکہ اللہ قائم ہے، اُس کا کلمہ تام ہے۔ اللہ اُسی کو فتحیاب کرتا ہے جو اُس کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنے دین کو عزت بخشنے والا ہے۔ کتابُ اللہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ وہ نور ہے، شفا ہے، اُسی کے ذریعہ خدا نے محمد (صلعم) کو ہدایت دی، اُسی میں اللہ کا حلال اور حرام ہے۔ بخدا ہم کسی کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے خلق اللہ میں سے کوئی بھی ہم پر غالب نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی تلواریں اب تک

نیام ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں بلند ہیں۔ ابھی ہم نے رکھی نہیں ہیں۔ جو کوئی ہماری مخالفت پر آئے گا ہم اُسپر اُسی طرح جہاد کرینگے جس طرح رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے تھے۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے بچانے کی فکر کرے[1]۔"

صحابہ کو ہوش آ گیا

اس خطبہ کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کا وہ دماغی خلفشار دُور ہو گیا جو اس حادثۂ عظیم کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ تمام لوگ ہوش میں آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں "جب ابو بکر نے آیت" وما محمد الا رسول الخ" تلاوت کی تو لوگ اس طرح چونک پڑے گویا اُنھیں معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت قرآن میں موجود ہے۔ پھر مدینہ میں کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جس کی زبان پر یہ آیت نہ ہو[2]" حتیٰ کہ خود حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب ابو بکر نے یہ آیت تلاوت کی تو ایسا معلوم ہوا گویا میرے دونوں پاؤں کسی نے کاٹ ڈالے ہیں اور مجھے اُٹھائے ہوئے نہیں ہیں۔ جب میں نے ابو بکر کی زبان سے یہ آیت سُنی اور معلوم ہو گیا کہ نبی صلعم کی وفات ہو گئی ہے تو میں زمین پر گر پڑا[3]۔"

حضرت ابو بکر کی عظمت

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق کو اس نازک گھڑی میں اس کام کی توفیق بخشی جسنے پورے اسلام کو بچا لیا۔ یہ گھڑی ایسی تھی کہ ادنیٰ لغزش بھی اسلام اور مسلمانوں کے لئے فیصلہ کن ہو سکتی تھی۔ ہمیں معلوم ہے مسیحیت میں فساد کی بنیاد اُسی

---

[1] یہ واقعہ اور خطبہ بخاری (کتاب الفضائل وباب مرض النبیؐ ووفاتہ) ابن ہشام، احیاء ج ۴، کنز العمال مسند عائشہ اور ابن سعد کی روایتوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ [2] بخاری مرض النبی ووفاتہ [3] بخاری مرض النبی ووفاتہ

دن پڑی جس دن حضرت عیسیٰ کے متعلق اُن کے حواریوں نے تسلیم کیا کہ وہ مردوں میں سے جی اُٹھے ہیں۔ بعض دوسرے مذہبی پیشواؤں کے بارے میں بھی ایسا ہی اعتقاد لوگوں میں اُن کی وفات پر پیدا ہوتا رہا ہے اور نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا کہ طرح طرح کی گمراہیوں کے دروازے کھل گئے۔ اگر اُس وقت صحابہ ایسے تسلیم کر لیتے کہ رسول اللہ فوت نہیں ہوئے ہیں، تو قطعاً گمراہی کا دروازہ کھل جاتا اور شاید کبھی بند نہ ہوتا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اس فتنہ کا سرِ وقت کچل ڈالا اور اسلام کی اتنی بڑی خدمت انجام دی جس سے بڑی خدمت ناممکن ہے۔

بعض لوگوں کو تعجب ہے کہ امت نے حضرت ابوبکر کو تمام صحابہ سے افضل کیوں تسلیم کیا حالانکہ حضرت عمر کے عہد میں ایک دنیا فتح ہوئی اور اسلامی تمدن کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ بلکہ اسی بنا پر ہمارے بعض مورخین نے حضرت عمر ہی کو اسلام کا ہیرو قرار دے دیا۔ ہمیں حضرت عمر کی عظمت و جلالت شان میں ذرا بھی کلام نہیں لیکن حضرت ابوبکر کا مرتبہ دوسرا ہی ہے۔ خالی الذہن ہو کر تاریخ کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس امت میں حضرت صدیق کا ہم رتبہ کوئی آدمی بھی پیدا نہیں ہوا۔ درحقیقت وہی اسلام کے اصلی ہیرو ہیں۔ فتوحات فاروقی کا سہرا بھی دراصل انہی کے سر ہے۔ اُنھی کو سب سے پہلے فتوحات کا خیال پیدا ہوا اور اُنہی نے سب سے پہلے ایران و شام پر فوج کشی شروع کی۔ تمام نقشہ مرتب تھا، داغ بیل پڑ چکی تھی۔ حضرت عمر نے آ کر اس مہم کی تکمیل کی اور اس طرح کی جس پر وہ صد آفرین کے مستحق ہیں۔ یہ مسئلہ اس قدر صاف ہے کہ بحث کی ضرورت نہیں۔ ساری زندگی رسول خدا صلعم حضرت ابوبکر کو ترجیح دیتے رہے۔ تمام صحابہ اُنھی کو سب سے بڑا مانتے رہے۔ اُنھی کو اپنا خلیفہ بنایا۔ خود حضرت عمر ہمیشہ اُنکے مطیع و منقاد رہے

یہ صورت حال خود حضرت ابوبکرؓ کے مرتبہ کو ظاہر کر رہی ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے۔ وفات نبوی سے صحابہ گھبرا ضرور گئے تھے مگر ذراسی تنبیہ سے سنبھل گئے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس سے صحابہ کی دماغی حالت اور رسول اکرم صلعم کی تربیت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا عذر

رہا یہ معاملہ کہ حضرت عمرؓ نے یہ کیوں کہا تھا کہ نبی صلعم فوت نہیں ہوئے ہیں اور یہ کہ جو کوئی یہ بات زبان سے نکالے گا اُسے قتل کر ڈالیں گے؟ اُس کی مختلف توجیہیں بیان کی گئی ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ اُنھوں نے یہ بات صرف اس خیال سے کہی تھی کہ دشمنانِ اسلام رسول اللہ کی موت کی وجہ سے سر نہ اُٹھائیں۔ ہمارے خیال میں یہ توجیہ صحیح نہیں۔ رسول اللہ کوئی بادشاہ نہ تھے جن کے دروازوں پر حاجب کھڑے ہوں اور محل کے راز محل ہی میں چھپے رہیں۔ مسجد میں ایک حجرہ تھا۔ اُسی میں نعش پڑی تھی۔ ہر شخص بآسانی دیکھ سکتا تھا کہ کیا حالت ہے؟ حضرت عمرؓ ایسے نہ تھے کہ اتنی بات نہ سمجھتے ہوں کہ یہ راز ایک منٹ کے لئے بھی چھپ نہیں سکتا۔ پھر اگر اُنکے نزدیک یہی مصلحت ہوتی کہ اُسے چھپایا جائے تو وہ پہلے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ سے جو حجرہ میں موجود تھے مشورہ کرتے اور یہ ضرورت اُنکے ذہن نشین کرتے۔ مگر اُنھوں نے یہ کچھ نہیں کیا بلکہ ایک فوری جوش کی حالت میں یہ الفاظ کہنا شروع کر دیئے۔ ہمارے خیال میں صاف اور سیدھی بات یہی ہے کہ اُس وقت واقعی اُنکے دل میں وہی خیال سما گیا تھا جو وہ ظاہر کر رہے تھے۔ جیسا کہ خود اُنھوں نے بعد کو اقرار کیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت مسجد نبوی میں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر کہا ،، لوگو، میں نے کل تم

ایک بات کہی تھی۔ لیکن وہ غلط تھی۔ بخدا میں نے نہ اُسے کتاب اللہ میں دیکھا تھا اور نہ وہ رسول اللہ صلعم سے مجھے پہنچی تھی۔ لیکن بات یہ کہ میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ ہمارے بعد تک زندہ رہیں گے۔ مگر اللہ نے اپنے رسول کے لئے تمہارے پاس کی چیزوں پر اپنے پاس کی چیز کو ترجیح دی۔ وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے جس کے ذریعہ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت بخشی لہذا اُسے مضبوطی سے لو تاکہ رسول کی ہدایت پر چل سکو۔[1] اسی طرح ایک اور موقعہ پر اُن سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو کہا "میرے پیش نظر یہ آیت تھی: وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس[ع] الخ" بخدا میں سمجھتا تھا کہ آپ اپنی اُمت میں برابر باقی رہیں گے یہاں تک کہ اپنے آخری اعمال سے اُس پر شاہد ہوں۔ یہی باعث تھا کہ میں نے یہ بات زبان سے نکالی تھی۔[2]

غسل

حضرت علیؓ پر خفگی

ادھر مسجد میں یہ ہو رہا تھا اُدھر حضرت علیؓ نے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا تھا اسی اثنا میں حضرت عباسؓ، اولاد عبدالمطلب کو ساتھ لئے پہنچے حضرت علیؓ نے خاندان کے بزرگ کو دیکھا تو رو دیئے اور چلا کر کہنے لگے "بابی انت طیبا حیا وطیبا میتا!" حضرت عباسؓ جو برابر ثابت قدم رہے تھے خفا ہو گئے اور کہنے لگے "یہ عورتوں کے سے بین چھوڑ اور مُردے کا سامان کر۔"[3]

ع ہم نے تمہیں معتدل اُمت بنا دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور رسول تم پر شاہد بنے۔

[1] المواہب [2] کنز العمال [3] ابن سعد۔

قریش و انصار چلائے

حضرت علی کہتے ہیں جب ہم تجہیز تکفین پر مستعد ہوئے تو لوگوں کا ہجوم روکنے کے لئے دروازہ بند کرلیا تھا۔ اس پر انصاری آکر پکارے "ہمارا بھی حق ہے، ہم اس کے ماموں زادے ہیں۔ اسلام میں ہمارا درجہ معلوم ہے" قریش آکر پکارے "ہم اس کے خاندان والے ہیں!" اس پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو لوگ ابوبکر سے شکایت کرنے لگے۔ ابوبکر نے پکار کر کہا، "مسلمانو! میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ہر قوم اپنے جانے کی زیادہ حقدار ہے اگر تم سب اندر آجاؤ گے تو نبی کے خاندان والوں کو آپ سے دور کردو گے۔ جسے یہ لوگ اجازت دیں، وہی اندر جائے" لیکن انصار برابر اصرار کرتے رہے۔ مجبوراً اُن میں سے ایک شخص اوس بن خولی کو اندر بلا لیا گیا"[1]

غسل کیونکر دیا گیا؟

اندر لوگوں میں اختلاف ہوا کہ آپ کو غسل کس طرح دینا چاہیے؟ کیا عام مُردوں کی طرح جسم برہنہ کرکے؟ آخر قرار پایا کہ کپڑے اتارے نہ جائیں اور یُوں ہی غسل دیا جائے[2] اوپر پڑھ آئے ہو کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو غسل دینے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے ادب کے خیال سے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیا پھر کُرتے کے اندر ہاتھ ڈال کر جسم اطہر ملنے لگے۔

غسل دینے میں حضرت علی کے علاوہ اُسامہ بن زید، فضل بن عباس اور مذکورالصدر انصاری اوس بن خولی شریک تھے۔ فضل پردہ پکڑے تھے۔ انصاری پانی انڈیلتا

---

[1] ابن سعد [2] ابوداؤد و ابن سعد۔

تھا۔ حضرت علیؓ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "بابی انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا"[عہ] لیکن آپ میں اس طرح کی کوئی کثافت موجود نہ تھی جو میت میں ہوتی ہے۔[۵۲]

حضرت عباسؓ، غسل میں شریک نہیں ہوئے۔ دروازے پر کھڑے رہے انکا اپنا بیان ہے "میں اس لئے شریک نہیں ہوا کہ آپ زندگی میں شرمایا کرتے تھے کہ میں آپکا جسم برہنہ دیکھوں[۵۳]" آپکو پانی اور بیری سے تین غسل دیئے گئے۔ پانی سعد بن خیثمہ کے کنوئیں سے لایا گیا تھا یہ کنواں قبا میں واقع تھا اور اُس کا پانی پیا بھی جاتا تھا۔[۵۴]

کفن

غسل کے بعد آپ کا کرتہ اُتار ڈالا گیا اور سجدے میں زمین سے مَس ہونے والے اعضا: ہاتھوں، ہتھیلیوں، چہرہ، پیروں اور جوڑوں میں خوشبو لگائی گئی اور عود و بخور کی دھونی دی گئی۔[۵۵] پھر کفن پہنایا گیا۔ کفن میں صرف تین سفید سوتی[۵۶] کپڑے تھے۔ اُن میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔[عہ] کفن چار آدمیوں نے پہنایا تھا: علیؓ، عباسؓ، عقیلؓ، اسامہؓ

عہ میرے ماں باپ قربان! جیتے اور مرتے تو کیسا پاک ہے! عہ پہلے آپکو وہ حلّہ حبرہ کفن کے طور پر پہنایا گیا جو ابن مقصد سے عبداللہ بن ابی بکر نے پیش کیا تھا۔ پھر اُسے اُتار کر تین سفید کپڑوں میں کفنایا گیا۔ عبداللہ نے اپنا جوڑا لے لیا اور کہا "اس کپڑے سے رسول اللہ کی جلد نے مَس کیا ہے، میں اسے اپنا کفن بناؤں گا" پھر بعد میں اُن کا خیال بدل گیا اور کہنے لگے "میں اُس کپڑے کو اپنا کفن نہیں بناؤں گا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا کفن بننے نہیں دیا" (مسند عائشہ) ۵۲ ابن سعد وبیہقی (کنز) بعض روایتوں میں ہے کہ اسامہ اور فضل کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور پردے کے اُس پار سے حضرت علیؓ کو پانی دیتے تھے (ابن سعد) ۵۳ ابن ہشام (۳ دم ۵) ابن سعد ۵۴ مسند عائشہ ۵۵ بخاری (جنائز)

ادس انصاری۔[1]

نماز جنازہ

کفن کے بعد آپ کی نعش اُسی تخت پر رکھدی گئی جس پر وصال ہوا تھا۔ اب لوگوں نے نماز جنازہ پڑھنا شروع کی۔[2] سب سے پہلے حضرت علی، عباس اور بنی ہاشم نے نماز پڑھی،[3] پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے۔ کوئی امام نہیں ہوتا تھا حضرت علی نے پہلے ہی سے کہدیا تھا "آپ کی نماز میں کوئی امامت نہ کرے کیونکہ آپ جیتے جی سب کے امام تھے اور مرنے کے بعد بھی سب کے امام ہیں"

مہاجرین و انصار کی نماز کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ حجرے میں داخل ہوئے تو پہلے حضرت ابوبکر اور عمر نے پھر اُنکے ساتھ والوں نے کہا "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر کسی کو امام بنائے بغیر صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے حضرت ابوبکر اور عمر، رسول اللہ کے مقابل کھڑے ہوئے اور یہ دعا شروع کی (سب پیچھے آمین، آمین، کہتے جاتے تھے)[4]: خدایا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ اس پر (یعنی رسول اللہ) نازل ہوا تھا، اسنے پورا پورا پہنچا دیا۔ امت کو نصیحت کی۔ راہ حق میں جہاد کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنا دین غالب کردیا۔ اُس کا بول بالا ہوگیا۔ اُس تنہا و یگانہ بے شریک پر ایمان لایا گیا۔ پس اے ہمارے معبود! ہمیں اُن لوگوں میں کردے جو اُس قول کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ نازل ہوا تھا اور ہمیں اس کے ساتھ جمع کردے تاکہ وہ ہمیں پہچانے اور ہم اُسے پہچانیں، کیونکہ وہ مؤمنین کے ساتھ رؤف و رحیم تھا۔

---

[1] ابن سعد [2] خصائص [3] الاستیعاب [4] ابن سعد

ہم ایمان کا کوئی بدل نہیں چاہتے۔ اُسے بیچکر کوئی چیز خریدنا نہیں چاہتے!"

عوارض بشریت

پُورے ڈیڑھ دن اور ایک رات لاش رکھی رہی۔ صحابہ کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا آپکی وفات میں شک تھا۔ پھر احتیاط بھی اسی میں سمجھی گئی کہ دفن میں دیر کی جائے تاکہ موت پُوری طرح یقینی ہوجائے۔ نیز یہ وجہ بھی تھی کہ سب مؤمنین کو نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہو۔ غرضکہ لاش رکھی رہی یہاں تک کہ جسم مبارک پھُول گیا چھنگلیا میں کجی دکھائی دی، ناخنوں کا رنگ تبدیل ہوکر سبز ہوگیا۔[۱]

دفن کہاں کئے جائیں؟

جب موت کا پُوری طرح یقین ہوگیا تو حضرت ابوبکر نے دفن کرنے پر زور دیا۔ مگر اختلاف پیدا ہوا کہ کس مقام میں دفن کئے جائیں؟ بعضوں نے کہا منبر کے پاس۔ بعض نے کہا اُس مقام پر جہاں آپ کھڑے ہوکر امامت کرتے تھے۔[۲] حضرت ابوبکر نے کہا "معاذ اللہ! ہم آپ کو بُت نہیں بنا سکتے کہ اُس کی پرستش کی جائے!" اِسپر بعضوں نے کہا "تو آپ کو بقیع میں دفن کریں جہاں آپکے بھائی مہاجرین دفن ہیں" حضرت ابوبکر نے اِس سے بھی اختلاف کیا اور کہا "اگر آپ کی قبر بقیع میں ہوگی تو اندیشہ ہے کہ اُس سے کوئی ایسا شخص پناہ لے جس کے ذمہ اللہ کا حق ہو اور معلوم ہے اللہ کا حق، رسول کے حق سے بڑھ کر ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم رسول کے حق کا پاس کرینگے تو اللہ کا حق ضایع ہوجائے گا۔ اور اگر اللہ کا حق لیں گے تو قبر رسول کی حرمت ٹوٹیگی"

---

[۱] [۲] ابن سعد

اس پر صحابہ نے کہا "پھر آپ کی رائے کہاں دفن کرنے کی ہے؟" انھوں نے جواب دیا "میں نے نبی صلعم کو ایک بات فرماتے سنا ہے اور اب تک اسے بھولا نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا "نبی کی روح جس جگہ قبض ہوتی ہے وہیں وہ دفن کیا جاتا ہے"[۱] صحابہ نے کہا: "بخدا آپ کا قول ہر طرح پسندیدہ ہے" نیز حضرت عائشہ نے بھی اندر سے پکار کر کہا: "رسول اللہ کو مسجد میں دفن نہ کرو، کیونکہ آپ میری گود میں سر رکھے تھے اور فرماتے تھے: خدا کی مار اُن پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے" چنانچہ صحابہ نے اتفاق کرلیا کہ آپ حضرت عائشہ کے حجرے ہی میں دفن کیے جائیں[۲]

قبر کیسے کھودی گئی؟

آپ کے بچھونے کے گرد زمین پر ایک نشان کھینچا گیا۔ پھر علی، عباس، فضل اور آپ کے خاندان والوں نے لاش ہٹائی اور نشان کے اندر ابوطلحہ[۳] نے قبر کھودی[۴]۔

بخاری کی روایت ہے کہ بعضوں نے کہا "آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنادیں؟" اس پر حضرت ابوبکر نے کہا "میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے "خدا کی لعنت یہود و نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا ہے[۵]"

قبر میں کس نے اُتارا؟

قبر طیار ہوگئی تو آپ کو سہ شنبہ کے دن رات کو دفن کیا گیا۔ تخت پائنتی کی طرف سے ہٹایا گیا اور اسی طرف سے آپکو قبر میں اُتارا گیا[۶] حضرت علی، عباس، عقیل،

---

[۱] ترمذی (شمائل) [۲] ابن سعد [۳] ابن ماجہ [۴] ابن سعد وغیرہ۔ [۵] بخاری (فضائل الصدیق) [۶] ابن سعد۔

اُسامہ اور اوس نے قبر میں اُتارا اور باہر نکل آئے [۱]۔ عین اُس وقت مُغیرہ بن شعبہ نے اپنی انگوٹھی قبر میں گرادی تاکہ اُٹھانے کے بہانے اُس میں اُترنے کی عزت حاصل کرسکیں۔ حضرت علیؓ سمجھ گئے۔ کہنے لگے "تونے اپنی انگوٹھی صرف اس لئے گرائی ہے کہ اُس میں اُترے اور کہا جائے تو بھی رسول اللہ کی قبر میں اُترا تھا! بخدا تو ہرگز اُترنے نہ پائے گا اور نہ لوگ یہ کہیں گے کہ تیری انگوٹھی نبی صلعم کی قبر میں موجود ہے" پھر خود اندر گئے اور انگوٹھی نکالکر مُغیرہ کو دے دی [۲]۔ اس کے بعد مٹی دی گئی حضرت بلالؓ نے قبر پر ایک مشک پانی چھڑکا۔ سر کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا تھا [۳]۔

اس طرح روز سہ شنبہ تاریخ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری بوقت شب جسم نبوی سپرد خاک کیا گیا۔

دفن کے بعد عام ماتم

دفن کے بعد صحابہ پر رنج و غم کی عجیب کیفیت طاری تھی۔ باہم گرم آنسوؤں اور سرد آہوں سے تعزیت دیتے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے جب آنحضرت نے فرمایا تھا "میرے بعد لوگ ایک دوسرے کو تعزیت دینگے" تو صحابہ یہ رمز نہ سمجھے تھے اور آپس میں پوچھتے تھے اس کا مطلب کیا ہے؟ [۴]

حضرت فاطمہؓ کی حالت ناقابل بیان تھی۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلعم کو دفن کر چکے تو فاطمہؓ نے رو رو کر مجھ سے کہا "اے انسؓ! تم نے کیسے گوارا کیا کہ رسول پر مٹی ڈالکر خود لوٹ آئے!" [۵] پھر قبر شریف پر کھڑی ہوئیں اور کہا: [۶]

---

[۱] ابن سعد [۲] ابن سعد [۳] ابن عساکر، المواہب [۴] ابن سعد [۵] ابن سعد وابن آبی شیبہ ابو یعلی والطبرانی (خصائص) [۶]

انا فقدناک فقد الارض وابلها — وغاب مذ غبت عنا الوحی والکتب

(ہم تجھ سے اس طرح محروم ہوگئے جس طرح زمین مینہ سے محروم ہوجائے۔ جب سے تو اوجھل ہوا ہے وحی اور کتابیں بھی ہم سے غائب ہوگئیں ہیں)

فلیت قبلک کان الموت صادفنا — لما نعیت وحالت دونک الکثب

(اے کاش تیرے مرنے اور خاک میں سونے سے پہلے ہی ہمیں موت آجاتی!)

پھر قبر کی مٹی اٹھا کر آنکھوں پر رکھی اور کہا:[1]

صبت علی مصائب لو أنها — صبت علی الایام عدن لیالیا

(مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو رات ہوجاتی)

پھر آنسوؤں کے ساتھ گھر لوٹیں۔ مدینہ کی عورتیں تعزیت کو جمع ہوئیں تو انھیں دیکھ کر پھر بیخود ہوگئیں اور یہ شعر پڑھے:[2]

اغبر آفاق السماء وکورت — شمس النہار واظلم العصران

(آسمان غبار آلود ہوگیا۔ دن کا سورج لپٹ گیا اور زمانہ تاریک ہوگیا)

فالارض من بعد النبی کئیبۃ — اسفا علیہ کثیرۃ الرجفان

(نبی کے غم میں زمین سوگوار و لرزاں ہو)

فلیبکہ شرق البلاد وغربہا — ولتبکہ مضر وکل یمان

(ہاں مشرق و مغرب اس پر آنسو بہائیں اور تمام مضری و یمنی قومیں نوحہ کریں)

فلیبکہ الطود المعظم جودہ — والبیت ذو الاستار والارکان

(اس کی سخاوت پر طور معظم، غلاف والا کعبہ اور اس کے ارکان روئیں)

---

[1] المواہب [2] الروض الانف

یا خاتم الرسل المبارک ضوءٔ   صلی علیک منزل القرآن

(اے خاتم المرسلین مبارک روشنی والے، تجھ پر قرآن کا نازل کرنے والا درود وصلاۃ بھیجے)

اس حادثہ کے بعد حضرت فاطمہ کو کبھی کسی نے ہنستے نہیں دیکھا[۱]۔ برابر غم کھاتی رہیں یہاں تک کہ چھ مہینے کے بعد خود بھی دنیا سے چل بسیں۔

اور بہت سے صحابہ کا بھی رنج وملال سے برا حال تھا۔ حضرت عمر کی حالت اوپر دیکھ چکے ہو کہ کس طرح بدحواس ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر کے متعلق بھی مروی ہے کہ اگرچہ انھوں نے بڑے ہی ضبط سے کام لیا، مگر صدمہ سے اندر ہی اندر گھلتے رہے اور بالآخر تین برس کے اندر زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت عثمان کی حالت یہ تھی کہ زبان بالکل بند ہو گئی تھی، دوسرے آدمی ادھر ادھر لے جاتے تھے۔ خود کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ حضرت علی میں چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ برابر بیٹھے رہتے تھے۔ عبداللہ بن انیس کا یہ حال ہوا کہ گھلتے اور دبلے ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اسی رنج میں فوت ہو گئے[۱]۔ صرف انسان ہی نہیں، حیوان بھی اپنے طبعی شعور محبت اور وفاداری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ کی سواری کا گدھا کنویں میں گر کر مر گیا۔ اونٹنی نے دانہ چارہ چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گئی[۲]۔

واقعی یہ حادثہ ایسا ہی جانگسل تھا۔ شمع نبوت گل ہو گئی تھی۔ پروانے بے قرار تھے۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی امت کے دل پر اس کا داغ موجود ہے۔ کون مومن ہے جو اپنے آنسو روک سکتا ہے: فالصبر یحمد فی المصائب کلھا الا علیک فانہ مذموم

---

[۱] مدارج[۲] المواہب

وفات کے بعد پہلی اذان

لاش ابھی دفن نہیں ہوئی تھی کہ نماز کا وقت آگیا۔ حضرت بلال اذان دینے کھڑے ہوئے۔ "اشہدان محمداً رسول اللہ" کی صدا بلند کی تھی کہ مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا۔ دفن کے بعد حضرت ابوبکر نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگے "اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کے ساتھ رہوں تو مجھے ایسا حکم دیجئے۔ لیکن اگر خدا کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے خدا کے لئے چھوڑ دیجئے" ابوبکر نے جواب دیا "میں نے تمھیں خدا ہی کے لئے آزاد کیا ہے" بلال نے کہا "تو میں رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دوں گا" پھر وہ ملک شام چلے گئے[1]۔

سوگوار شہر

پورے مدینہ میں ایک تہلکہ پڑا ہوا تھا۔ گریہ وبکا کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ حضرت ابوذویب ہذلی سے مروی ہے کہ "ہمارے قبیلہ کو نبی صلعم کی علالت کی خبر پہنچی تو لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ میں نے بھی پوری رات آنکھوں میں کاٹی صبح ہوتے ذرا آنکھ جھپکی تو ایسا معلوم ہوا کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہے:

خطب اجل اناخ بالاسلام — بین النخیل ومعقد الآطام

نخلستان اور قلعوں کے ابین (مدینہ میں) اسلام پر سخت ہولناک مصیبت ٹوٹ پڑی۔

قبض النبی محمد فعیوننا — تبدی الدموع بالتسجام

نبی، محمدؐ اٹھا لئے گئے، اسی لئے ہماری آنکھیں اشک بار ہیں

---

[1] صفوۃ الصفہ

میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور باہر نکلا تو کوئی بھی نظر نہ آیا۔ آسمان پر نظر ڈالی تو سعد الذابح (ایک منحوس ستارہ خیال کیا جاتا ہے) دکھائی دیا۔ میں سمجھ گیا کہ نبی صلعم فوت ہو چکے یا عنقریب فوت ہونے والے ہیں۔ فوراً مدینہ کو روانہ ہوا۔ شہر کے سامنے پہنچا تو رونے کا ایسا شور سُنا جیسا حاجیوں میں تکبیر کا ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟" جواب ملا "رسول اللہ کا وصال ہو گیا![1]"

اللھم صل وسلم علی محمد خیر خلقک صلوٰۃ وسلاما الی یوم الدین



[1] ابن عساکر، المواہب، ابن مندہ (کنز العمال)

مراثی

رسول اللہ صلعم کی جدائی پر بہت سے صحابہ نے مرثئے کہے۔ افسوس اس مختصر رسالہ میں انکی گنجائش نہیں۔ ذیل میں چند مرثیوں کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

حضرت ابوبکرؓ کا مرثیہ (ابن سعد)

یا عین فابکی ولا تسأمی وحق البکاء علی السید

اے آنکھ! رو اور رونے سے کبھی نہ اکتا۔ آقا پر رونا ہر طرح بجا ہے

فکیف الحیاۃ لفقد الحبیب وزین المعاشر فی المشہد

محفل کی زینت اور محبوب کی جدائی کے بعد اب زندگی کیسے ہو؟

فلیت الممات لنا کلنا وکنا جمیعا مع المہتدی

کاش ہم سب کو موت آجاتی اور ہم سب اُسکے ساتھ ہوتے!

حضرت اروی بنت عبد المطلب کا مرثیہ (ابن سعد)

الا یا عین ویحک اسعدینی بل معک ما بقیت وطاوعینی

ہاں، اے میری آنکھ! اپنے آنسوؤں سے میری مدد کر اور ہمیشہ رونے میں میری مطیع رہ

فان عذلتک عاذلۃ فقولی علام وفیم ویحک تعذلینی

اگر تجھے ناصح ملامت کرے تو اُس سے کہدے "تیری ہلاکت ہو! یہ ملامت کیوں اور کس پر؟

علی نور البلاد معا جمیعا رسول اللہ احمد فاترکینی

کیا دنیا کے نُور، رسول اللہ احمد پر رونے کی وجہ سے؟ اگر یہی ہے تو مجھے چھوڑدے

فالا تقصری بالعذل عنی   فلومی ما بدا لک اودعینی

اگر ملامت سے باز رہنا تجھ سے ممکن نہیں تو جتنی ملامت ممکن ہو کر

لامر ھدنی واذل رکنی   وشیب بعد جدتھا قرونی

مجھے اُس مصیبت کے لئے چھوڑ دے جس نے مجھے گرایا ہے، میری کمر جھکا دی ہے، میرے بال سفید کر ڈالے ہیں

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کا مرثیہ (ابن سعد)

أفاطم ابکی ولا تسامی   بصحیک ما طلع الکوکب

فاطمہ! صبح سے شام تک روئے جا اور اکتا نہیں

ھوالمرء یبکی وحق البکاء   ھوالماجد السید الطیب

مرنے والا ایسا ہی تھا کہ اُسے رویا جائے۔ وہ عزت والا، سردار، اچھا تھا

وتبکی الاباطح من فقدہ   وتبکیہ مکۃ والاخشب

ریگستان اُسکی جدائی پر رو رہے ہیں۔ مکہ روتا ہے۔ پہاڑ روتے ہیں

فعینی مالک لا تدمعین   وحق لدمعک یستکب

اے میری آنکھ! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ روتی نہیں؟ حالانکہ تیرے آنسوؤں کی بارش ہونا چاہیے

رسول اللہ کے شاعر حضرت حسّان کا مرثیہ (ابن سعد)

یا عین جودی بدمع منک سبال   ولا تملن من سح واعوال

اے آنکھ! دل کھول کر رو، دیکھ رونے اور آنسو بہانے سے کبھی تھکنا

لا ینفدلی بعد الیوم دمعکما   انی مصاب وانی لست سالی

دیکھو کبھی تمھارے آنسو نہ رکیں۔ کیونکہ مجھ پر مصیبت پڑی ہے اور میں اُسے بھولنے والا نہیں

علی رجل لنا محض ضریبتہ سمح الخلیقۃ عف غیر مجہال

رسول پر رو، جس کی فطرت خالص، طینت نیک، طبیعت عفیف و حلیم تھی

کشاف مکرمۃ مطوام مسغبۃ وھاب عانیۃ رجاء شملال

سخاوت برتنے والا، بھوکوں کا کھلانے والا، مصیبت زدہ کی مدد کرنے والا

عف مکاسبہ جزل مواہبہ خیر البریۃ سمح غیر نکال

کمائی میں پاک، بخشش میں فیاض، افضل ترین مخلوق، خوش اخلاق۔ سخت گیری سے دور

واری الزناد وقواد الجیاد الی یوم الطراد اذا شبت باجذال

سخی، خوفناک جنگوں میں رسالے آگے بڑھانے والا

انی اری الدھر والایام یفجعنی بالصالحین وابقی ناعم البال

آہ! زمانہ مجھے نیکوں کا داغ دیتا جاتا ہے اور میں آرام سے زندہ ہوں

ولہ (رر)

باللہ ماحملت انثی ولا وضعت مثل النبی نبی الرحمۃ الھادی

بخدا، نبی، ہدایت والے نبیِ رحمت جیسا کبھی کوئی پیدا نہیں ہوا

من الذی کان نورا یستضاء بہ مبارک الامر ذا حزم وارشاد

وہ نور تھا جس سے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ مبارک تھا عقلمند ہدایت کا مالک تھا

امسی نساؤک عطلن البیوت فما یضربن خلف قفا ستر باوتاد

اے مرنے والے! تیری بیبیاں بے گھر ہو گئیں۔ اب اُن کا کہیں ٹھکانا باقی نہیں

مثل الرواہب یلبسن المسوح وقد ایقن بالبؤس بعد النعمۃ البادی

اُنھوں نے راہبوں کے کپڑے پہن لئے۔ آرام کے بعد مصیبت کا شکار ہوگئیں

ولہ (؍؍)

مابال عینک لاتنام کانما   کحلت مآقیھا بکحل الارمد

تیری آنکھ کو کیا ہو گیا کہ سوتی نہیں گویا اُسیں آشوب چشم کے سُرمے کی سلائی پھیر دیگئی ہو؟

جزعا علی المھدی اصبح ثاویا   یا خیر من وطیٔ الحصی لا تبعد

ہدی (صلعم) پر غم کی وجہ سے جواب مر چکا ہو! اے سب سے اچھے ہم سے دُور نہ ہو!

یا بکر آمنۃ المبارک ذکرہ   ولدتہ محصنۃ بسعد الاسعد

آمنہ کے اکلوتے! جس کا ذکر مبارک ہو اور جسکی پیدائش نیک ساعت میں ہوئی

أأقیم بعدک بالمدینۃ بینھم   یا لھف نفسی لیتنی لم اولد

کیا میں تیرے بعد بھی مدینہ میں رہتا رہوں؟ آہ میری ہلاکت! کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا!

بابی وامی من شھدت وفاتہ   فی یوم الاثنین النبی المھتدی

اُس پر میرے ماں باپ قربان جس کی تو نے وفات دوشنبہ کے دن دیکھی، ہدایت والے نبی کی تھا!

ولقد ولدنا ہ وفینا قبرہ   وفضول نعمتہ بنا لا نجحد

ہم انصار ہی میں وہ پیدا ہوا اور ہم ہی میں اُس کی قبر ہے۔ ہم پر اُسکے احسانوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا

صلی الالہ ومن یحف بعرشہ   والطیبون علی المبارک احمد

خدا، اُس کے ملائکہ اور تمام اچھے لوگ، مبارک احمد پر درود بھیجیں

ولہ (ابن ہشام)

بطیبۃ رسم للرسول ومعھد   منیر وقد تعفو الرسوم وتھمد

مدینہ میں رسول کی نشانیاں اور روشن یادگاریں ہیں، اگرچہ کبھی نشانیاں مٹ بھی جایا کرتی ہیں

ولا تمتحی الآیات من دار حرمۃ   بھا منبر الھادی الذی کان یصعد
لیکن مدینہ کی نشانیاں مٹ نہیں سکتیں۔ اس میں وہ منبر کا مبرہ ہے جس پر وہ بلند ہوا کرتا تھا

بھا حجرات کان ینزل وسطھا   من اللہ نور یستضاء و یوقد
وہ حجرے موجود ہیں جن میں خدا کی طرف سے روشن کرنے والا نور نازل ہوتا تھا

اطالت وقوفا تذرف العین جھدھا   علی طلل القبر الذی فیہ احمد
میں بہت دیر تک احمد کی قبر پر کھڑا آنسو بہاتا رہا

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت   بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد
اے قبر رسول تجھ پر برکت اور اس سرزمین پر برکت جس میں وہ دفن ہے

لقد غیبوا حلما وعلما ورحمۃ   عشیۃ علوہ الثری لا یوسد
جس رات وہ دفن کیا گیا اس رات دراصل حلم و علم و رحمت کو دفن کر دیا گیا ہے

یبکون من تبکی السموات یومہ   ومن قد بکتہ الارض فالناس اکمد
سب اُسے رو رہے ہیں جسکی یاد میں آسمان روتے ہیں اور جس پر زمین رو چکی ہے

وھل عدلت یوما رزیۃ ھالک   رزیۃ یوم مات فیہ محمد
کبھی کسی کی موت اتنی بڑی مصیبت نہیں ہوئی جتنی بڑی محمدؐ کی موت ہوئی ہے

فبکی رسول اللہ یا عین عبرۃ   ولا اعرفنک الدھر دمعک یجمد
پس اے آنکھ! رسول اللہ پر آنسوؤں سے رو۔ دیکھ کبھی تیرے آنسو خشک نہ دیکھوں!

وما فقد الماضون مثل محمد   ولا مثلہ حتی القیامۃ یفقد
پچھلوں نے کبھی محمدؐ جیسا کوئی وجود نہیں کھویا اور نہ قیامت تک اس جیسا کوئی کھویا جا سکےگا۔

حقر سید علی عباس کا ستا یکم جولائی ۱۹۵۶ء

نئی کتابیں

جلد فائدہ اُٹھائیے

"ہند بک ایجنسی" نے ابتک جتنی کتابیں شائع کی ہیں، تمام ملک میں اُن کا شہرہ ہو۔ امام ابن تیمیہ اور دوسرے مشاہیر کی تصانیف جلد سے جلد شایع کرنے کا اہتمام ہو رہا ہو۔ کتابیں صرف اتنی ہی تعداد میں چھپتی ہیں جتنی مانگ ہوتی ہو۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ تک فوراً کتابیں پہنچ جایا کریں تو اپنا نام مستقل خریداروں کی فہرست میں لکھوا دیں۔

اس کی صورت یہ ہو کہ آپ اپنا نام و پتہ صاف و خوشخط حرفوں میں ایک پوسٹ کارڈ پر لکھ کر بھیجدیں۔ نیز یہ بھی تصریح کردیں کہ آپکے نام کتابوں کی دی، پی بلااطلاع بھیجدی جائے یا پہلے آپکی اجازت حاصل کرلی جائے۔ کتابوں کی قیمت ہمیشہ نہایت معتدل ہوگی۔ ہمارا مقصد تجارت نہیں ہو، علم کی اشاعت ہو۔ اب تک جتنی کتابیں ہم نے شایع کی ہیں سب کی قیمت بہت کم رکھی ہو۔ محصول ڈاک ہمیشہ خریدار کے ذمہ ہوگا

امید ہو آپ اس علمی دینی کام میں ہماری ہر طرح ہمت افزائی اور مدد کرینگے

منیجر "ہند بک ایجنسی"

پنجاب فائن آرٹ پریس کلکتہ میں طبع ہوا